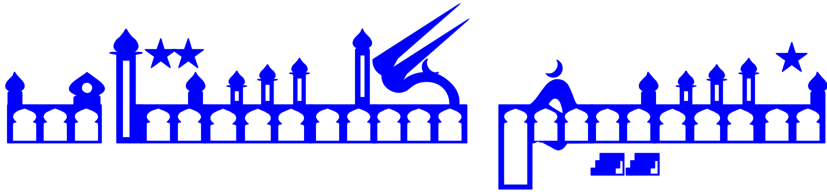


منتخب کلام

ابوالحسین سید وحید القادری عارفؔ

کچھ اپنے بارے میں

شاعری جذباتِ دلی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ دلی کیفیات جب اپنے عروج پر ہوتی ہیں تو انہیں قدرت سے زبان مل جاتی ہے اور وہ والہانہ اشعار کے سانچے میں ڈھل کر صفحہء قرطاس پر ثبت ہوجاتی ہیں۔ شاعری کی نہیں جاتی ہوجاتی ہے۔ جذباتِ دلی کا بے ساختگی سے اظہار ہوجانا ہی شاعری ہے۔ اچھے شعر کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا ہے۔ یہ اور ایسے ہی کئی کلمات کی گونج میرے کانوں میں شائد ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے ہونے لگی تھی۔ پھر حضرت والدمؒ علیہ الرحمہ کو اکثر و بیشتر گنگناتے' اشعار موزوں فرماتے' اور محافلِ شعروسخن میں ترنم ریز ہوتے سنتا رہتا جس سے میرے وجود میں بھی لطافتِ شعری اثر کرنے لگی۔ دلچسپی بڑھی تو اپنے بزرگوں کا کلام پڑھنا شروع کیا جن میں میرے والدِ ماجد حضرت ابوالفضل سید محمود قادری محمودؒ کے علاوہ میرے جدِ امجد حضرت مفتی سید عبدالرشید قادری اخترؒ' میرے جدِ مادری حضرت سید وحید القادری الموسوی عارفؒ اور حضرت مفتی میر اعظم علی شائقؒ کا کلام شامل تھا۔ ہمارے خاندان میں منعقد ہونے والی نعت و منقبت کی محفلیں اس پر سونے پر سہاگہ کا کام کرنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس شعری لگاؤ نے سخن گوئی کی جانب مائل کردیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب میرے نانا حضرت سید وحید القادری عارفؒ کے سالانہ عرس کا دعوت نامہ آیا تو اس موقع پر منعقد شدنی طرحی منقبتی مشاعرہ میں میں نے بھی منقبت سنانے کی ٹھان لی اور طرحی منقبت لکھ کر حضرت والدمؒ کو سنائی۔ والد صاحبؒ مسکرا اٹھے اور پھر قلم لے کر اس منقبت پر اصلاح فرمائی۔ یہ پہلا مشاعرہ تھا جس میں میں نے اپنا کلام سنایا۔ حضرت والدمؒ کے علاوہ میرے تمام بزرگوں خاص طور پر حضرت عمِ مکرم پروفیسر سید عبدالرزاق قادری الموسوی جعفرؒ نے بڑی ہمت افزائی کی اور اپنے پاس منعقد ہونے والے سالانہ مشاعرہء جشنِ غوثیہ میں بھی کلام سنانے کی

تاکید فرمائی۔ پھر کرنول میں حضرت سید عبد اللطیف قادری لاابالی علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر منعقد ہونے والے طرحی مشاعرے میں شرکت لازمی ہوگئی۔ اور مشاعروں میں شرکت کا یہ سلسلہ چل پڑا۔ پہلے حضرت والدم ذوالفضلِ والکرمؒ کی معیت میں اور بعد میں انفرادی طور پر شہر کے اکثر نعتیہ و منقبتی مشاعروں میں شرکت ہونے لگی۔ ان میں قابلِ ذکر درگاہِ حضرت موسیٰ قادریؒ میں منعقدہ یادِ حضرتِ عارفؒ کا سالانہ طرحی منقبتی مشاعرہ، جشنِ غوثیہ کا سالانہ منقبتی مشاعرہ جس کا اہتمام احاطۂ حضرت موسیٰ قادریؒ میں ہوتا، یادِ فاضلؒ کا سالانہ نعتیہ مشاعرہ جسے مولانا جلال الدین حسامی کاملؔ حسامیہ منزل پنجہ شاہ میں منعقد کرتے تھے، بزمِ کاملؔ شطاریؒ کا نعتیہ مشاعرہ جو خانقاہِ شطاریہ دبیر پورہ میں ہوتا (یادِ کاملؔ کا پہلا مشاعرہ حضرت والدمؒ کی صدارت میں ہوا تھا جو تمام رات چلتا رہا تھا)، پیرزادہ نصیر الدین بسملؔ کے مکان واقع چندولعل بارہ دری میں منعقدہ سالانہ نعتیہ مشاعرہ، خانقاہِ نورانی قاضی پورہ میں منعقدہ نعتیہ و منقبتی مشاعرے، انجمنِ قادریہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ نعتیہ مشاعرے غرضکہ شعر و سخن کی محفلوں کا گویا ایک لامتناہی سلسلہ تھا کہ جس کے باعث میرے ذوقِ سخن کی نمو ہوئی، سخن فہمی نے جلا پائی اور سخن طرازی میں نکھار آیا۔

پھر میرے مسلسل اصرار پر حضرت والدم علیہ الرحمہ نے ہمارے مکان دیوڑھی حضرت مولوی محمودؒ میں ماہِ ربیع الاول، ربیع الثانی اور محرم میں ہونے والی سالانہ محافل میں نعتیہ و منقبتی مشاعروں کا انعقاد شروع کردیا (جس کا سلسلہ ۱۹۸۴ء میں میرے سعودی عرب آنے تک چلتا رہا)۔ ان مشاعروں میں اساتذہء سخن مثلاً مولانا سید شیخین احمد شطاری کاملؔؒ مولانا ابوالزاہد سید یحییٰ حسینی قدرؔ عریضیؒ، مفسرِ قرآن مولانا سید معز الدین قادری الملتانی معزؔؒ مولانا سید سلطان محی الدین قادری سیفؔ حمویؒ، مرزا شکور بیگ صاحب میرزاؔ، ملک الشعراء اوجؔ یعقوبی وغیرہم کے سامنے کلام سنانے اور ان کا اور دیگر شعراء کا کلام سننے کا موقع ملا۔

اسی دوران میرے رشتہ کے چچا حضرت ابوالحسنات سید ولی اللہ قادری ولیؔ بھی دبیر پورہ سے ہمارے پڑوس میں منتقل ہو گئے اور میں ان کی خدمت میں بپابندی حاضر ہونے لگا۔ یہ بھی بڑے باکمال شاعر تھے۔ چچا حضرت علیہ الرحمہ کی مجھ پر بڑی عنایت تھی۔ ان سے جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا وہیں مجھے اس بات کا بھی فخر ہے کہ وہ اکثر اپنا کلام مجھے سناتے اور میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار پر اپنی رائے بھی دیتے تھے۔

جب محافلِ سخن میں شرکت بڑھتی گئی تو شہرِ حیدرآباد میں منعقد ہونے والے مختلف جلسہ ہائے سیرت النبیؐ و فیضانِ اولیاء میں نعت و منقبت سنانے کی دعوتیں آنے لگیں۔ ان جلسوں میں خاص طور پر میں جلسہء استقبالِ رمضان کا ذکر کرنا چاہوں گا جس کا اہتمام محفوظ بالقرآن حکیم سید عزیز حسینی صاحب کیا کرتے تھے۔ یہ رشتہ میں میرے چچازاد بہنوئی ہوتے تھے۔ انہوں نے میرا اس جلسہ میں شرکت اور کلام سنانا لازم کردیا تھا۔ رمضان کے تینوں دہوں میں میں تراویح بپابندی عزیز بھائی کی اقتداء میں ادا کرتا تھا۔ عزیز بھائی ہر دہے کے اختتام پر جلسہء ختمِ قرآن کا بھی اہتمام فرماتے تھے اور اس جلسہ میں بھی میری نعت ضرور شامل ہوتی۔

عمر کے ساتھ ساتھ شاعری کا ذوق بھی بڑھتا گیا۔ اساتذہ کے کلام پڑھنے اور سننے لگا۔ میں غالبؔ، جگر مرادآبادی، فانیؔ بدایونی، علامہ اقبالؔ، اخترؔ شیرانی، آنند نارائن ملاؔ، جگن ناتھ آزادؔ، فراقؔ گورکھپوری، فیض احمد فیضؔ وغیرہم کے مجموعہء کلام سے منتخب غزلیں حضرت والدم علیہ الرحمہ کو سناتا اور ان کے تاثرات بغور سنتا۔ اسطرح لطفِ سخن فہمی دوبالا ہوجاتا۔ اکثر یوں ہوتا کہ والد صاحبؒ کی طبیعت موزوں ہوجاتی اور وہ اسی زمین میں اشعار کہتے اور مجھے سناتے۔ پھر مجھ سے ترنم سے اپنا کلام سنتے۔ بعض اوقات کچھ اشعار میں بھی لکھتا اور حضرت والدمؒ کو سناتا اور وہ اس پر اپنی صلاح دیتے۔ اس وقت میرے ماموں زاد بھائی مولانا سید غوث محی الدین قادری اعظمؔ حضرت والدمؒ سے درس

لینے روزانہ ہمارے گھر آتے تھے۔ ماشاء اللہ یہ سخن فہم بھی ہیں اور سخن گو بھی۔ میری طرح یہ بھی اپنے اشعار پر حضرت والدم علیہ الرحمہ سے صلاح لیتے تھے۔ ہماری طبیعت بہت ملتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنا کلام مجھے سناتے اور میں اپنا کلام انہیں سناتا۔ یہ اکثر حضرت والدم علیہ الرحمہ کی موجودگی میں ہوتا اور وہؒ ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی دیتے جاتے۔

نعت ومنقبت کے بعد طبیعت میں غزل گوئی کا رجحان ہوا۔ حضرت والدم علیہ الرحمہ نے پھر ہمت افزائی فرمائی۔ ۱۹۷۶ء میں یومِ قلی قطب شاہ کے سالانہ مشاعرہ میں میں نے پہلی بار غزل پڑھی۔ یہ مشاعرہ 'ایوانِ اردو' میں جناب نریندر لوتھر صاحب (اسپیشل آفیسر بلدیہ) کی صدارت اور عمِ مکرم ڈاکٹر غیاثؔ صدیقیؒ کی معتمدی میں منعقد ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میری غزل پر بہت داد ملی تھی اور میں جب غزل سنا چکا تو صدرِ مشاعرہ نے مجھے اپنے پاس بلا کر تعریف کی اور کاڈبری چاکلیٹ دئے تھے۔ پھر کیپٹن عباسؔ عابدی صاحب نے مجھے اپنے پاس بٹھالیا اور اس عمر میں غزل کی بجائے نظم لکھنے کی صلاح دی (جس پر بہت کم عمل ہوا)۔ اس مشاعرہ کے بعد میں ڈاکٹر غیاثؔ صدیقی صاحب سے بہت قریب ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب رشتہ میں میرے والد کے چچازاد بھائی تھے۔ ہر دوسرے یا تیسرے دن میں غیاث چچا کے گھر چلا جاتا۔ وہ اپنا کلام سناتے اور میرا کلام سنتے۔ ساتھ میں فنِ سخن گوئی پر مجھے نئی نئی ترکیبات سکھاتے۔ یہ جدید لب ولہجہ کے شاعر تھے اور میں نے پہلی بار ادبِ نو انہی سے سیکھا تھا۔

۱۹۷۸ء میں حضرت والدم کی صدارت میں منعقدہ بزمِ نارائن داس کا طرحی مشاعرہ بھی میری زندگی کا یادگار مشاعرہ تھا۔ یہ کلا مندر حیدر گوڑہ میں ہوا تھا اور اس میں کم وبیش ۵۰ اساتذہ نے کلام سنایا تھا۔ وہاں بعض غیر مسلم شعراء کا کلام سننے کو ملا جن میں دنکر راؤ دیشمکھ دنکرؔ، کنول پرشاد کنولؔ، اور ٹھاکر بجرنگ سنگھ فقیرؔ بھی شامل تھے۔ یہ سارے شعراء نعت ومنقبت کے نذرانے بھی عرض کیا کرتے

تھے۔اس مشاعرے کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس میں روایات کا بھی پاس رکھا گیا تھا۔ہال میں بہر جانب گاؤ تکیے لگائے گئے تھے جن کے سامنے اگالدان رکھے تھے۔ پان کی گلوریاں طشت میں الگ سے رکھی تھیں۔شمعِ محفل باضابطہ موجود تھی اور جل رہی تھی۔جس کسی شاعر کی باری آتی شمعِ محفل اس کے سامنے رکھ دی جاتی تھی۔میں نے حیدرآباد کے کئی مشاعروں میں شرکت کی اور اپنا کلام سنایا ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ ایسے روایتی مشاعرے کہیں اور بھی ہوتے ہوں۔ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے کسی اور مشاعرے میں شرکت کا مجھے موقع نہیں ملا۔

نعت، منقبت، غزل، نظم کے علاوہ حضرت والدمؒ کی خدمت میں میں نے تاریخ گوئی کا فن بھی سیکھا تھا۔والد صاحبؒ کا شمار حیدرآباد کے منفرد اور مایہ ناز تاریخ گو شعراء میں ہوتا تھا۔میں نے چند تاریخی نظمیں اور رباعیات لکھی ہیں جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

۱۹۸۴ء میں میں حیدرآباد سے جدہ منتقل ہوگیا اور شعر و سخن کی محفلوں میں شرکت کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔البتہ شعر گوئی مزاج کا جزو لاینفک ہے سو اس کا سلسلہ چلتا رہا۔اب جو اشعار ہوتے وہ والد صاحبؒ کو خط میں لکھ بھیجتا اور وہ جوابی خط میں اپنی صلاح سے نوازتے۔چھٹی پر جاتا تو اپنے مختصر قیام کے دوران اگر کوئی مشاعرے کی محفل منعقد ہوتی تو شرکت کر لیتا۔ ہاں غزلیات وقتاً فوقتاً پاکستان اور سعودی عرب سے شائع ہونے والے رسالوں اور اخبارات میں طبع ہوتی رہیں ۲۰۰۰ء میں حضرت والدم اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔میں شعر اب بھی کہتا ہوں لیکن اب شعر گوئی میں مزہ نہیں رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب کی جانب توجہ دلانے اور مسلسل اصرار کرنے کا سہرا میری شریکِ حیات کے سر ہے۔اس کے لئے میں ان کا مشکور ہوں۔اگر ان کا اصرار نہ ہوتا تو شائد میں اپنے اشعار کو جو پراگندہ حالت میں تھے ایسی ترتیب نہ دے پاتا۔

آخر میں امید کرتا ہوں کہ میری یہ کاوش قارئین کے معیار پر پوری اترے گی اور انکی دلچسپی اور قبولیت کا باعث ہوگی۔

سید وحید القادری عارفؔ

﴿حصہء اول﴾

نعتِ سرورِ کائینات

علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

نعت سرورؐ

نسبت ہے شرط طالع بیدار کے لئے
ورنہ عبث ہے شوق بھی دیدار کے لئے

معراج بس دلیل بلند مرتبت کی ہے
اسرار کیا تھے واقف اسرار کے لئے

سارے جہاں کے واسطے رحمت وہی تو ہیں
تسخیر ہر جہان ہے سرکار کے لئے

ظاہر و مــا رمیــت سےقدرت ہےآپکی
اور مثــلــکــم ہےپوشش کردار کے لئے

تخلیق وہ جو احســن تــقــویــم ہوگئی
کنز خفی کی وسعت اظہار کے لئے

قرآن خود گواہ ہے خــلــق عــظیــم پر
اب بھی کچھ اور چاہیئے اقرار کے لئے؟

قدرت نے انکی ذات پہ حجت تمام کی
گنجایش اب نہیں رہی انکار کے لئے

وابستگی بدرجۂ وارفتگی تو ہے
بس ہے یہ نور میری شب تار کے لئے

انکا غلام کیسے ہو محروم التفات
عارفؔ وہ جب کریم ہیں اغیار کے لئے



۲۰۰۲ء

رہنے نہیں دیتے

گدازِ عشق کو ہم اجنبی رہنے نہیں دیتے
کہ سازِ دل بجز ذکرِ نبی رہنے نہیں دیتے

شعورِ زیست ملتا ہے فقط ان کے تصدق سے
وہ امت کو بحالِ خفتگی رہنے نہیں دیتے

جدھر اٹھتی ہیں نظریں سیر ہوجاتے ہیں دیوانے
وہ دیوانوں کی اپنے تشنگی رہنے نہیں دیتے

زباں کھلنے سے پہلے وہ عطا کرتے ہیں سائل کو
غلاموں کا کبھی دامن تہی رہنے نہیں دیتے

یہ اعجازِ نگارِ شاہکارِ دستِ قدرت ہے
کہ بے مدحِ نبی دشمن کو بھی رہنے نہیں دیتے

تصور میں وہ آتے ہیں تو کچھ اس طرح آتے ہیں
خیالِ غیر کو دل میں کبھی رہنے نہیں دیتے

فروغِ شوقِ دیدارِ نبی کا اب یہ عالم ہے
کہ خواب آنکھوں کے محوِ خواب بھی رہنے نہیں دیتے

نکلتی آہ ہے دل سے تو طیبہ کو پہنچتی ہے
مرے نالے ہی میری بے کلی رہنے نہیں دیتے

اٹھاؤں کیا میں اب دستِ طلب مانگوں تو کیا مانگوں
مرے آقا مجھے کوئی کمی رہنے نہیں دیتے

کرم کیجے کہ دامِ کِبر و لالچ میں نہ گھر جائیں
یہ جذبے آدمی کو آدمی رہنے نہیں دیتے

عطا مجھ کو کچھ ایسی بے خودی کرتے ہیں وہ عارفؔ
سوائے اپنے کوئی آگہی رہنے نہیں دیتے

۲۰۰۹ء



لے کے آیا ہوں

فرشتو میں شہ طیبہ کی نسبت لے کے آیا ہوں
تہی داماں نہ سمجھو میں یہ دولت لے کے آیا ہوں

سرورو کیف ومستی کی وہ حالت لے کے آیا ہوں
رگ و پئے میں سمائی انکی الفت لے کے آیا ہوں

ستائے گا مجھے اندیشہء روزِ قیامت کیا
درِ آقا سے میثاقِ شفاعت لے کے آیا ہوں

ٹھہر سکتی نہیں میرے مقابل قوتِ باطل
وفورِ عشقِ سرور کی وہ طاقت لے کے آیا ہوں

خدا کا شکر مجھ کو انکی امت میں کیا پیدا
جو ہو رشکِ ملائک میں وہ قسمت لے کے آیا ہوں

کرم کی اک نظر مجھ پر مرے سرکار فرمائیں
کہ میں دل میں مئے کوثر کی چاہت لے کے آیا ہوں

چلا تھا گھر سے دل پر بارِ عصیاں لے کے میں عارفؔ
مدینہ سے مگر رحمت ہی رحمت لے کے آیا ہوں



۲۰۰۶

حاضری

درِ سرکار پر ہم حاضری کو گھر سے جب نکلے
تمنا آرزو ارمان خواہش سب کے سب نکلے
یقیں محکم لئے سینے میں آقا کی شفاعت کا
دلِ صد چاک و چشمِ اشکبار و جاں بلب نکلے
نگاہیں جب اٹھیں اپنی بسوئے گنبدِ خضریٰ
درودِ پاک کے نذرانے دل سے سوئے لب نکلے
عجب کچھ کیفیت تھی دل کی پیشِ جالیء اقدس
یہ حسرت تھی دمِ آخر نکلنا ہو تو اب نکلے
زباں یوں چپ ہوئی کچھ عرضِ حاجت بھی نہ کر پائی
میں حیراں تھا مرے نالے بھی کتنے با ادب نکلے
مگر اس در پہ حاجت بھی نہ تھی کچھ عرضِ حاجت کی
طلب کیا کیجئے جب سارے مطلب بے طلب نکلے
جو پہنچا روضہء جنت میں دل میں یہ خیال آیا
جو جنت میں گئے اک بار باہر پھر وہ کب نکلے
جھکایا جب رسول اللہ کی چوکھٹ پہ سر میں نے
نہ جانے کیوں مری آنکھوں سے آنسو بے سبب نکلے
ہزاروں جاں نثاروں نے بقیع میں گر جگہ پائی
وہیں پر ایک مرقد اپنی بھی پھر کیا عجب نکلے
مدینہ کھینچ لاتی ہے ہمیں نسبت غلامی کی
خدا کی شان ہم کمتر بھی کیا والا حسب نکلے

پریشاں حال تھا میں کثرتِ عصیان سے عارفؔ
مدینہ میں بہر سو رحمتِ حق کے سبب نکلے

☆☆☆☆☆☆

۲۰۰۸ء

سرکار بلاتے ہیں

کہتا ہے یہ دل ہر پل سرکار بلاتے ہیں
چل سوئے مدینہ چل سرکار بلاتے ہیں

بے چین نگاہوں سے ہر آج یہ کہتا ہے
بے چین نہ ہونا کل سرکار بلاتے ہیں

مخمور فضائیں ہیں رحمت کی گھٹائیں ہیں
کہتے ہیں گھنے بادل سرکار بلاتے ہیں

ہر وقت تصور میں طیبہ کے نظارے ہیں
ہوتا ہے گماں پل پل سرکار بلاتے ہیں

رکھتے ہیں خبر ہردم وہ اپنے غلاموں کی
ہم ہوتے ہیں جب بیکل سرکار بلاتے ہیں

جانا درِ آقا پر ہر زخم کا مرہم ہے
دل ہوتا ہے جب گھائل سرکار بلاتے ہیں

وہ بحرِ سخاوت ہیں وہ چشمہء رحمت ہیں
بھرنے کو مری چھاگل سرکار بلاتے ہیں

خاکِ درِ طیبہ کی خواہش ہے تو چل، چل کر
پیشانی پہ اپنی مل سرکار بلاتے ہیں

احساسِ طرب بھی ہے پر پاسِ ادب بھی ہے
جذبات میں ہے ہلچل سرکار بلاتے ہیں

دل فرطِ مسرت سے قابو میں نہیں آتا
ہوجائیں نہ ہم پاگل سرکار بلاتے ہیں

ہیں حاضرِ در عارفؔ یہ ان کی عنایت ہے
اپنے میں نہیں کچھ بل سرکار بلاتے ہیں

۲۰۰۹ء

☆☆☆☆☆☆

اچھا لگتا ہے

ان کے در پر سر کو جھکانا اچھا لگتا ہے
ہوش میں رہ کر ہوش گنوانا اچھا لگتا ہے

ذوقِ نظارہ اور بڑھانا اچھا لگتا ہے
جا کر آنا آ کر جانا اچھا لگتا ہے

ہر موسم طیبہ کا سہانا اچھا لگتا ہے
ہر کوچہ جانا پہچانا اچھا لگتا ہے

ہستی کو اس طرح مٹانا اچھا لگتا ہے
خود کو کھو کر ان کو پانا اچھا لگتا ہے

نسبت پر اپنی اترانا اچھا لگتا ہے
خود کو ان کا خادم کہلانا اچھا لگتا ہے

اس در پر انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے
ایسے جلووں میں کھوجانا اچھا لگتا ہے

اپنے شہر میں اپنے بھی بیگانے لگتے تھے
ان کے شہر میں ہر بیگانہ اچھا لگتا ہے

ذکر ان کا سیرت ان کی نعت ان کی تعریف ان کی
پڑھنا سننا لکھنا سنانا اچھا لگتا ہے

میرے آقا خواب میں میرے اک دن آئینگے
خواب یہی پلکوں پہ سجانا اچھا لگتا ہے

ممکن ہے دریائے رحمت جوش میں آجائے
اپنے عصیاں پر شرمانا اچھا لگتا ہے

عارفؔ مجھ کو دیکھ کے بس وہ اتنا فرمادیں
دیوانہ ہے یہ دیوانہ اچھا لگتا ہے



۲۰۰۹ سنہ

چلے

بحرِ غم میں پھر مسرت کے سفینے سے چلے
پھر ہوائے لطف کے جھونکے مدینے سے چلے

کارواں نذرانہء الفت کے سینے سے چلے
ہم سوئے طیبہ چلے کتنے قرینے سے چلے

ساقیء صہبائے کوثر ایک جام اس سمت بھی
بے خودی کی لہر دل میں جس کے پینے سے چلے

جوشِ رحمت اس طرف عصیاں کی کثرت اِس طرف
جب کبھی سونچا ندامت سے پسینے سے چلے

ہیچ جیسے ہوگئیں دنیا کی ساری نعمتیں
واقعہ اتنا تھا ہم ہو کر مدینے سے چلے

دیکھئے پہچان لیجے کس سے وابستہ ہیں ہم
اپنی نسبت کا پتہ خود اپنے جینے سے چلے

تجھکو عارفؔ خوف کیا ہو عرصہء محشر کا گر
ساتھ تیرے شافعِ محشر مدینے سے چلے



۱۹۹۳ء

کتنی عظیم مرتبت کیسی بڑی یہ شان ہے
خاکِ درِ رسول کا ہر ذرہ آسمان ہے

آمدِ مصطفیٰ ہوئی نورِ یقین آ گیا
ریب و گمان یوں مٹے ریب ہے نہ گمان ہے

آپ سے رونقِ حیات آپ کے دم سے کائنات
آپ ہیں جاں جہان کی جان ہے تو جہان ہے

نقشِ قدم جہاں ملے سر کو وہیں جھکادیا
اپنی یہی ہے آبرو آن ہے بان ہے شان ہے

قسمت مری کہ مل گیا دامنِ مصطفیٰ مجھے
میرے لئے یہ حشر کی دھوپ میں سائبان ہے

کٹتے نہیں ہیں روز وشب لوٹ کے در سے آپ کے
پھر آرزوئے حاضری دل میں مرے جوان ہے

وحشتِ دل شبِ سیاہ ہمدم نہ کوئی ہمنوا
ایک نظر ہو یا نبی سخت یہ امتحان ہے

انکا میں ہوچکا تو پھر خوف کی کوئی بات کیا
میرے وہ ہوگئے تو پھر میرے لئے امان ہے

انکا کرم جو ہو مری ناؤ تو پار ہوچکی
طوفاں کا کوئی غم نہیں موج ہی پاسبان ہے

وابستہ در سے آپ کے عارفؔ کمتریں بھی ہے
جنت سے بھی سوا اسے آپ کا آستان ہے

۲۰۰۸ء

☆☆☆☆☆☆

بس اتنا صلہ دینا

مجھکو مری نسبت کا بس اتنا صلہ دینا — گم گشتہء منزل ہوں قدموں میں جگہ دینا
اک پردہ جو حائل ہے اس کو بھی اٹھا دینا — دیدار کی خواہش ہے دیدار کرا دینا
کچھ ایسا شرف مجھکو اےئ میرے خدا دینا — ہستی کو مری انکی چوکھٹ پہ مٹا دینا
محویتِ کامل کو اس اوج پہ لا دینا — یاد ان کو کیا کرنا اور خود کو بھلا دینا
جو ان کا ہوا اس کو پلکوں پہ بٹھا لینا — جو ان کا نہیں اس کو نظروں سے گرا دینا
یوں تو مری رگ رگ میں ہے عشقِ نبی لیکن — یا رب تو اس آتش کو کچھ اور ہوا دینا
عشقِ شہ طیبہ میں اک کیف کا عالم ہے — بیخود ہوں مجھے میرا کچھ بھی نہ پتہ دینا
تم خلقِ مجسم ہو تم پیکرِ رحمت ہو — آسان نہیں ورنہ دشمن کو دعا دینا
مانا کہ گناہوں سے دفتر ہے سیہ لیکن — وابستہء دامن ہوں بس اس کو نبھا دینا
سرکار نظر آئیں جب عرصہء محشر میں — ہر سمت درودوں کا اک حشر اٹھا دینا

جب بھی کبھی چھائی ہو پژمردہ فضا عارفؔ
سب جھوم اٹھیں ایسی اک نعت سنا دینا



۲۰۰۴

گہرائی

الفت نبی کی قلب کی گہرائیوں میں ہے
تقدیر اپنی عرش کی اونچائیوں میں ہے

وابستہ ان سے جو ہے پذیرائیوں میں ہے
جو ان سے دور ہوگیا رسوائیوں میں ہے

نسبت چلا جو پائے تو ہو ربط بھی قوی
یہ لطف ان کی یاد کا تنہائیوں میں ہے

عارفؔ کی لاج آپ کے ذمہ ہے حشر میں
یہ بھی حضور آپ کے شیدائیوں میں ہے

☆☆☆☆☆☆

سنہ ۲۰۰۶

اچھاہو

تصور میں نبی کے ایسے کھو جاؤں تو اچھا ہو
میں اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاؤں تو اچھا ہو

مصائبؔ کشمکشؔ افکار خود ہی دور ہو جائیں
میں ان کے در پہ سر رکھ کر جو سو جاؤں تو اچھا ہو

مجھے وہ کاش اپنے در کی دربانی عطا کردیں
میں اپنے داغِ عصیاں ایسے دھو جاؤں تو اچھا ہو

جو نسبت میں اثر ہوگا کشش پھر خود بخود ہوگی
مجھے وہ یاد جب فرمائیں میں جاؤں تو اچھا ہو

☆☆☆☆☆☆

۱۹۹۷ء

آنے کو ہے

وقت مدت سے تھا جس کا انتظار آنے کو ہے
زندگی کی بیقراری کو قرار آنے کو ہے

مستیِ صہبائے کوثر کا خمار آنے کو ہے
پھر نگاہوں میں مدینہ کا دیار آنے کو ہے

پھر تصور میں وہاں کا لالہ زار آنے کو ہے
اے مشامِ جاں ہوائے مشکبار آنے کو ہے

جوش میں آنے کو ہے دریائے الطاف و کرم
اے خزاں دیدہ گلستاں اب بہار آنے کو ہے

بختِ خفتہ کو حیاتِ نو کی ملتی ہے نوید
شائد انکے در پہ سر ہو کر نثار آنے کو ہے

تشنگی کا اس سے بہتر اور کیا ہوگا علاج
رحمتوں کا اک مسلسل آبشار آنے کو ہے

ایک وہ ہیں آزماتے ہیں بلاتے ہی نہیں
ایک دیوانہ ہے جو دیوانہ وار آنے کو ہے

دل یہ کہتا ہے کہ ہوگی یاد طیبہ میں مری
اپنی خوش بختی کا مجھ کو اعتبار آنے کو ہے

جس نظارے کے لئے نظریں ترستی تھیں مری
ہاں وہی منظر نظر میں بار بار آنے کو ہے

اے قرارِ بے قراراں پھر کرم کی آس پر
آپ کے دربار میں یہ بے قرار آنے کو ہے

پھر شفاعت کو مری آقا کے لب ہلنے کو ہیں
پھر گناہوں پر مرے رحمت کو پیار آنے کو ہے

رنگ لائیگی مری سرکار سے وابستگی
عرصۂ محشر میں عارفؔ باوقار آنے کو ہے



۱۹۹۱

ص

دربارِ رسول

بھا گیا اس طرح سرکار کا دربار مجھے
پھر دعا ہے کہ بلالیں مرے سرکار مجھے

ان سے دوری میں گذرتا ہوا ہر پل ہر دن
لذتِ شوق سے کرنے لگا سرشار مجھے

یاد کب ہوتی ہے کب اڑ کے مدینہ پہنچوں
دھن یہی رہتی ہے اب ہر دم و ہر بار مجھے

جب سے نظروں نے کئے آپ کے در پر سجدے
اپنی بخشش کے نظر آتے ہیں آثار مجھے

ان سے وابستہ ہوں داناؤں سے دانا ہوں میں
لوگ دیوانہ سمجھتے رہے بیکار مجھے

معصیت نے مری احسان کیا ہے مجھ پر
آپ کی چشمِ کرم کا کیا حقدار مجھے

ان کی نسبت کے تصدق کہ بلائیں میری
ٹل گئیں دیکھ کے سب برسرِ پیکار مجھے

ان کی الفت نے کیا ہے وہ تاثر پیدا
وجد میں لانے لگے خود مرے اشعار مجھے

ان کی یادؔ ان کا خیالؔ ان کا تصور عارفؔ
جب میسر ہیں تو پھر کچھ نہیں درکار مجھے

۱۹۹۱ء

☆☆☆☆☆☆

دوری

جس دن سے ہوگئے ہیں تری رہگذر سے دور
لگتا ہے جیسے ہوگئے اپنے ہی گھر سے دور

اک عندلیبِ طیبہ ہوں اور اس نگر سے دور
کس طرح ہونگے اشک مری چشمِ تر سے دور

نظریں ہیں پھر بھی ذوقِ نظارہ نہیں رہا
روضہ کا انکے جب سے ہے منظر نظر سے دور

سجدوں کی خواہشیں نہ عبادت کے ہیں مزے
چوکھٹ اس آستاں کی ہوئی جب سے سر سے دور

خوش قسمتی سے دیکھ لی طیبہ کی سرزمیں
بد قسمتی سے ہوگئے پھر اس شہر سے دور

تسکینِ قلب ذوقِ تصور سے ہوگئی
دل سے تو ہیں قریب اگر ہیں نظر سے دور

عارفؔ فراقِ طیبہ میں آنسو نکل پڑے
دل مضطرب ہے ایسے محمدؐ کے در سے دور

۱۹۹۱



آتے ہیں

در پہ ہم آپ کے بادیدہء نم آتے ہیں
کچھ کرم کیجئے محرومِ کرم آتے ہیں

لوٹتے دیکھتے ہیں اوروں کو خوشیاں ساری
اپنے حصہ میں جو آتے ہیں تو غم آتے ہیں

کیجئے نظرِ عنایت کہ ہماری جانب
جوق در جوق زمانہ کے ستم آتے ہیں

یاد آقا کی مداوائے الم ہے مجھ کو
وہ تصور میں بھی مائل بہ کرم آتے ہیں

ہاتھ میں دامنِ سرکار لئے ائے عارفؔ
دیکھنا حشر میں کس شان سے ہم آتے ہیں

۱۹۹۱



ساقیءکوثر

وحدت کی مئی جو عام کی ساقی نے کائنات میں
ہلچل سی جیسے مچ گئی میکدہء حیات میں

آنے لگی نظر کوئی خوبی کسی کی ذات میں
یا کوئی انقلاب ہے برپا تخیلات میں

ذات کی جب جھلک ملی آئینہء صفات میں
گم ہوگئی نظر مری گویا تجلیات میں

خلقِ عظیم، پیکرِ ہستی، عرب کی سرزمیں
طلعتِ شمس ہوگئی جیسے سیاہ رات میں

دریائے لطف یوں بہا باقی رہی نہ تشنگی
کھلتے گئے جو راز تھے سربستہ بات بات میں

ثبت ہو گیا ہر اک عمل صفحہء کائنات پر
مشعلِ راہ مل گئی امت کو مشکلات میں

وابستگانِ دامنِ احمد پہ نور چھا گیا
گم ہوگئے الجھ گئے دشمن توہمات میں

الفت بشکلِ طاعتِ کامل صواب ہی نہیں
سرمایہء حیات ہے دنیائے بے ثبات میں

عارفؔ رہِ وفا میں جاں جاتی ہے جسم سے مرے
گویا حیاتِ سرمدی ہے پردہء وفات میں

۱۹۹۱ء

☆☆☆☆☆☆

کیا کہنا

پھر نعتِ نبیؐ کرنے کو رقم اٹھتا ہے قلم کا کیا کہنا
پھر پھیلتے ہیں انوارِ قدمؐ انوارِ قدم کا کیا کہنا

چھوڑیں گے نہ یہ دامانِ کرمؐ دامانِ کرم کا کیا کہنا
ہے ہم کو اسی نسبت کی قسمؐ نسبت کی قسم کا کیا کہنا

چھایا ہے بہر سو ابرِ کرمؐ اس ابرِ کرم کا کیا کہنا
طیبہ ہے کہ ہے گلزارِ ارمؐ گلزارِ ارم کا کیا کہنا

مانا کہ سیہ کاروں میں ہیں ہمؐ مانا کہ گنہ گاروں میں ہیں ہم
رکھ لیں گے غلاموں کا وہ بھرم پھر اپنے بھرم کا کیا کہنا

دل جب بھی تڑپتا ہے اپنا نام انکا زباں پر آتا ہے
مٹ جاتے ہیں سارے رنج والم ان رنج والم کا کیا کہنا

عصیاں سے بھرے دفتر میں فقط بخشش کا یہی سرمایہ ہے
جو یاد میں آقا کی نم ہو اس دیدہء نم کا کیا کہنا

طیبہ کی لگن ہے پھر دل میں پھر حسرت ہے پاس آنے کی
دوری نے کیئے ہیں ہم پہ ستم اس دورِ ستم کا کیا کہنا

کیا رشد و ہدایت کیا ایماں کیا تقویٰ کیا ایثار و کرم
ہر شان ہے انکی شانِ اتم اس شانِ اتم کا کیا کہنا

تسکینِ دلِ مضطر کے لئے بس انکا تصور کافی ہے
یہ بھی تو ہے اک اندازِ کرمؐ اندازِ کرم کا کیا کہنا

پھر سوئے مدینہ اٹھنے لگیں بے چین نگاہیں اے عارفؔ
پھر ہونے لگا احساسِ کرم، احساسِ کرم کا کیا کہنا

۱۹۹۱ء

☆☆☆☆☆☆

یادگارِ مدینہ

اگر ہو آپ کا دامان سر پر یا رسول اللہ
قمر ہو جائیگا خورشیدِ محشر یا رسول اللہ
کشش رکھتا ہے ایسی آپ کا در یا رسول اللہ
نہیں اٹھتا اٹھائے سے مرا سر یا رسول اللہ
نظر آتا ہے جب روضہ کا منظر یا رسول اللہ
رکا جاتا ہے اشکوں کا سمندر یا رسول اللہ
تسلی سی یہاں ملتی ہے آکر قلبِ مضطر کو
نگاہوں کو ہے یہ فردوس منظر یا رسول اللہ
مدینہ ہی تصور کی مرے منزل نظر آیا
نہیں اس سے نہیں کچھ اور بہتر یا رسول اللہ
خدا کے واسطے چوکھٹ سے اب نہ دور فرمائیں
مرا سر ہو گیا ہے اس کا خوگر یا رسول اللہ
رہے آنکھوں میں میری مرتے دم بھی گنبدِ خضریٰ
اور اس کے ساتھ جاری ہو زباں پر یا رسول اللہ
نہیں ملتا کہیں درماں ہماری تشنہ کامی کا
نظر اے ساقیٔ تسنیم و کوثر یا رسول اللہ
تباہی کے نظر آتے ہیں سب ساماں مرے مولیٰ
کرم فرمایئے للہ مجھ پر یا رسول اللہ
عذابِ قبر کیا ہے آپ گر تشریف لے آئیں
میں قدموں سے لپٹ جاؤں گا کہہ کر یا رسول اللہ
حضور عارفؔ ازل سے ہے گدائے درگہِ والا
بھلا وہ کیسے ہو سکتا ہے در در یا رسول اللہ

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۴ء

میری سمجھ

ناسمجھ سمجھیں گے کیا دل کی زباں سمجھا تھا میں
سب پہ لیکن تھا عیاں جسکو نہاں سمجھا تھا میں

بالیقیں سمجھا تھا بے ریب و گماں سمجھا تھا میں
ان کے در کو فیض بخشِ دوجہاں سمجھا تھا میں

منزلِ قوسین حدِ لامکاں سمجھا تھا میں
وہ تھے اس سے ماورا انکو جہاں سمجھا تھا میں

کھل گئے اسرارِ سربستہ سب انکی ذات سے
ان سے پہلے اپنی ہستی کو کہاں سمجھا تھا میں

دردِ فرقت میں تصور انکا راحت بخش ہے
مہرباں نکلا جسے نامہرباں سمجھا تھا میں

بارشِ الطاف میں گویا نہا آیا ہوں میں
انکا دامن تھا کہ جس کو آسماں سمجھا تھا میں

روضہء جنت بھی کھنچ کر آگئی دربار میں
کیا غلط تھا انکے در کو گر جناں سمجھا تھا میں

بے نشانی کیوں نہ پھر بن جاتی خود میرا نشاں
بے نشانی کو ہی جب اپنا نشاں سمجھا تھا میں

انکے در پر وہ بھی بے قابو ہوا جاتا رہا
عارفؔ اپنے دل کو اپنا رازداں سمجھا تھا میں

۱۹۹۱ء

☆☆☆☆☆☆

عریضہ

قریب تو ہیں مگر آپ کے قریں تو نہیں
عرب ہے پھر بھی یہ طیبہ کی سرزمیں تو نہیں

جو دور آپ سے ہیں یہ گماں گذرتا ہے
ہر ایک لحظہ یہ ہنگامِ واپسیں تو نہیں

جو میرے دل میں نظر آئی گنبدِ خضریٰ
ہوا خیال مدینہ کہیں یہیں تو نہیں

درِ نبی کا تصور مری جبیں کا خیال
اب ایسا ہے کہ جو در ہے مری جبیں تو نہیں

یہ اولین نظر کا ہے اولین خیال
جہاں میں اس سے کوئی اور جا حسیں تو نہیں

فضا وہاں کی کچھ ایسی ہے سارے سوچ میں ہیں
جو خلد ہے پسِ درگاہِ شاہِ دیں تو نہیں

میں کچھ رہوں نہ رہوں مجھ کو ناز ہے اس پر
غلامِ سرورِ عالم ہوں کمتریں تو نہیں

ہے لا مکاں میں بھی جس کے نام کا چرچہ
تمہارے دل میں بھی عارفؔ وہی مکیں تو نہیں



۱۹۸۴

سرکار کرم کرنا

کب تک یہ رہے ہم پر دنیا کا ستم کرنا
سرکار کرم کرنا سرکار کرم کرنا

رحمت کی نظر ہوگی ایقان یہ محکم ہے
ہیں آپ سے وابستہ آتا نہیں غم کرنا

محسوس تو ہوتا ہے اظہار نہیں ہوتا
آقا کا غلاموں پر ہر وقت کرم کرنا

دیدار کے پیاسوں کو دیدار کی حسرت ہے
بس اتنی نوازش اب ائے بحرِ کرم کرنا

اشکوں پہ مرے عارفؔ وہ مائلِ رحمت ہیں
ایسا ہی رہے دائم دامن مرا نم کرنا



١٩٨٤

نسیمِ مدینہ

یوں مدینہ سے نسیمِ سحری آئی ہے — اپنے ہمراہ وہ خوشبوئے نبی لائی ہے
خاکِ طیبہ مری آنکھوں میں جگہ پائی ہے — میری آنکھوں کی تصدق مری بینائی ہے
ان کا جلوہ بھی عجب جلوہء رعنائی ہے — بن گیا ہے وہ تماشا جو تماشائی ہے
دامنِ شہہ سے جو نسبت مرے ہاتھ آئی ہے — میری قسمت مری تقدیر پہ اترائی ہے
دل وہ دل ہے کہ جو آقا کا تمنائی ہے — سر وہ سر ہے کہ جو سرکار کا سودائی ہے
اسکی آنکھوں کو نظر آیا خدا کا جلوہ — روئے حضرت کی جھلک جس کو نظر آئی ہے
ان کے شیدا کی ہے شیدائی خدائی ساری — ہے وہ خوش بخت جو سرکار کا شیدائی ہے
سورہء والضحیٰ واللیل سے ظاہر یہ ہوا — حق نے ان کے رخ و گیسو کی قسم کھائی ہے
ان پہ قربان دو عالم ہیں تو حیرت کیا ہے — جنکے صدقہ میں یہ سب انجم آرائی ہے
دل میں حسرت ہے کہ اس در پہ جبیں سائی کروں — ساری دنیا جہاں مصروفِ جبیں سائی ہے
شاہِ طیبہ کی ہے فرمان روائی اب تک — ملکِ قیصر ہے نہ کِسریٰ ہے نہ دارائی ہے

درِ حضرت پہ پہنچ کر یہ کہوں گا عارفؔ
ایک مدت کی تمنا مری بر آئی ہے



۱۹۸۱

نہیں ہے

مجھے کچھ فکرِ خیر و شر نہیں ہے
سلامت کیا مرا رہبر نہیں ہے

نہیں ہے میری نظروں میں وہ کامل
تری چوکھٹ پہ جس کا سر نہیں ہے

میں در در پر صدا کس واسطے دوں
سلامت کیا تمہارا در نہیں ہے

مجھے جب سے ہے ان کے در سے نسبت
نظر میری کسی در پر نہیں ہے

نہیں ہے جس کو ان کے در سے نسبت
وہ کوئی اور ہے رہبر نہیں ہے

نہیں کوئی جو محرومِ کرم ہو
نگاہِ لطف کیوں ہم پر نہیں ہے

ہے حیرت میری آنکھیں تو ہیں پر نم
مگر دامن تمہارا تر نہیں ہے

مرا سر ہے ترا نقشِ کفِ پا
اب اس سے اور کچھ بہتر نہیں ہے

نہ جاں ہے جاں نہ دل دل ہے نہ سر سر
تمہاری نظرِ رحمت گر نہیں ہے

ترے دامن سے وابستہ ہے عارفؔ
خدا کا شکر ہے در در نہیں ہے

۱۹۸۲ء

سرکارتوہیں

میرے دل میں شہہ دیں سیدِ ابرار تو ہیں
کوئی اب ہو نہ ہو میرا مرے سرکار تو ہیں

میں سیہ کار خطاکار گنہ گار سہی
شافعِ روزِ قیامت مرے سرکار تو ہیں

دور ہوں آپ کے قدموں سے یہ سچ ہے آقا
میری حالت سے مگر آپ خبردار تو ہیں

لاکھ بے بس سہی بے کس سہی مجبور سہی
کچھ سہی میں مگر آقا مرے مختار تو ہیں

ہوں شہنشاہِ زمانہ بھی تو ہوں گے پھر بھی
آپ کی چشمِ عنایت کے طلب گار تو ہیں

راستہ سخت ہے اور دور ہے منزل لیکن
آپ اس قافلہ کے قافلہ سالار تو ہیں

میں برا ہوں مگر اس در پہ رسائی ہے مری
سوچتا ہوں مری بخشش کے بھی آثار تو ہیں

میں ہوں وابستہء دامانِ محمدؐ عارفؔ
کوئی ہو جائے خفا وہ مرے غمخوار تو ہیں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۲ء

کرم

کرم حضور کا یوں ہم پہ بے حساب رہے
خیالِ غیر کی آمد کا سدِ باب رہے

درِ حبیب ہے قسمت گری کا کاشانہ
خوشا وہ شخص وہاں پر جو باریاب رہے

نگاہِ لطف کے محتاج پر بھی ایک نظر
کہ ضبطِ غم کی کہاں تک کسی میں تاب رہے

ہزار بار ہوا سامنا مصائب سے
کرم تمہارا کہ ہم پھر بھی کامیاب رہے

ہیں بے حساب سیہ کاریاں مری جیسے
کرم بھی مجھ پہ اسی طرح بے حساب رہے

ہو ان سے ربط جو محکم تو عینِ نسبت ہے
وہ ربط کیا کہ جو مانندِ یک حباب رہے

زبان کیسے کرے اس کی مدح پردازی
جو آپ اپنے کمالات کا جواب رہے

اس ایک عارفؔ خستہ کی حیثیت کیا ہے
درِ حضور سے اقطاب فیض یاب رہے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۲ء

آرزوئے دلی

سرِ عجز ہو مرا ان کا در مری آرزوئے دلی یہ ہے
مری جان نکلے فتادہ سر مری آرزوئے دلی یہ ہے

مرے حال پر ہو کرم کہ اب نہیں تاب ضبطِ فراق کی
رہوں حاضرِ درِ پاک تر مری آرزوئے دلی یہ ہے

رہیں محوِ ناز حضور تو رہوں جیسے محوِ نیاز میں
وہ نظر میں میری ہوں سر بسر مری آرزوئے دلی یہ ہے

میں ہوں منتظر اسی روز کا کہ ہو آستاں مرے سامنے
دل و جاں نثار ہوں آپ پر مری آرزوئے دلی یہ ہے

کٹے جس طرح مری زندگی درِ ذی وقار پہ آپ کے
مری خاک بھی نہ ہو در بدر مری آرزوئے دلی یہ ہے

ہو کرم سے وقتِ اخیر میں مجھے دید انکے جمال کی
یہ مری دعا نہ ہو بے اثر مری آرزوئے دلی یہ ہے

مری ذات عارفؔ خستہ جاں جو ہے غرق بحرِ گناہ میں
ہو کرم بھی مجھ پہ اسی قدر مری آرزوئے دلی یہ ہے



۱۹۸۳ء

کاش۔۔۔

وقت ایسا بھی مری عمر میں آیا ہوتا خلد کا لطف مدینہ میں اٹھایا ہوتا
خواب ہی میں رخِ پرنور دکھایا ہوتا میرے خوابیدہ مقدر کو جگایا ہوتا
ان کا دربارِ گہر بار دکھایا ہوتا حال پر میرے کرم اتنا خدایا ہوتا
آنکھ سے اشکِ ندامت جو بہایا ہوتا حق کا دریائے کرم جوش میں آیا ہوتا
یوں تصور ترا نظروں میں سمایا ہوتا چار سو تیرا ہی جلوہ نظر آیا ہوتا
سایہ افگن جو ہوئی حشر میں ہم پر رحمت بول اٹھے غیر بھی کاش ہم پہ یہ سایہ ہوتا
نعت کہتا ہوں تو رہتی ہے یہ حسرت مجھ کو کاش یہ نعت مدینہ میں سنایا ہوتا
نور ہی نور ہیں سرکارِ مدینہ عارفؔ
صرف ہوتے جو بشر آپ کا سایہ ہوتا

۱۹۸۳ء ☆☆☆☆☆☆

دل

حبِ شہ طیبہ کا ہے جس دل میں دفینہ وہ دل نہیں دل اصل میں وہ دل ہے مدینہ
تکتا ہے رہِ نظرِ کرم آپ کی کب سے عصیاں کے تھپیڑوں میں گھرا دل کا سفینہ
اے بادِ صبا تجھ سے یہی عرض ہے میری تو دوش پہ لے کر مجھے پہنچادے مدینہ
آنکھوں میں مری بس گئے طیبہ کے نظارے اور عشقِ نبی سے مرا معمور ہے سینہ
جیتے ہیں فقط آپ کی نسبت کے سہارے گر آپ سے نسبت نہیں کس کام کا جینا
دنیا کی ہوس اور نہ فکرِ غمِ عقبیٰ عشقِ شہ کونین کا کافی ہے خزینہ
عارفؔ مری کٹتی ہے تصور میں نبی کے
بند ہوتی ہیں آنکھیں نظر آتا ہے مدینہ

۱۹۸۳ء ☆☆☆☆☆☆

کیا کہنا

شانِ شاہِ انام کیا کہنا جگ ہے ان کا غلام کیا کہنا
کالی زلفیں نبی کی ہیں واللیل رخ ہے ماہِ تمام کیا کہنا
نعمتِ رفعِ ذکر کیا کہیئے حق کے بعد ان کا نام کیا کہنا
ہر زباں پر ہے تذکرہ ان کا صبح ہو یا کہ شام کیا کہنا
دوجہاں کے لئے ہیں رحمت آپ یعنی رحمت ہے عام کیا کہنا
ہر جگہ آج انہی کا کلمہ ہے روم ہو یا کہ شام کیا کہنا
امتی کا بھی ان کے کرتے ہیں دل سے سب احترام کیا کہنا
سنگ دل موم ہوگئے سن کر مصطفیٰ کا کلام کیا کہنا
پہلے دشمن جو سمجھے جاتے تھے ہیں وہی اب غلام کیا کہنا
جس نے مشکل میں ان کا نام لیا بن گیا اس کا کام کیا کہنا
دوجہاں ان کے زیرِ فرماں ہیں ہے یہ قدرت کا کام کیا کہنا
مصطفیٰ کی جگہ دلوں میں ہے عرش پر ہے یہ مقام کیا کہنا

لبِ حق پر بھی دیکھئے عارف
ہے درود و سلام کیا کہنا



۱۹۷۳

آپ

خاتمِ جملہ رسولاں ہیں آپ　　سب ستارے مہِ تاباں ہیں آپ
سر بسر رحمتِ یزداں ہیں آپ　　فضل ہیں، لطف ہیں، احساں ہیں آپ
نہیں معلوم حقیقت کیا ہے　　شکل و صورت میں تو انساں ہیں آپ
من راٰء نی سے سمجھ میں آیا　　مظہرِ کاملِ یزداں ہیں آپ
پوچھئے بات اگر ایماں کی　　اصل میں حاصلِ ایماں ہیں آپ
اسلئے حکمِ اطیعوا آیا　　سب ہیں محکوم سلیماں ہیں آپ
آپ کی آرزو کیوں سب نہ کریں　　کہ رسولوں کے بھی ارماں ہیں آپ
ہر گلستاں کی بہار آپ سے ہے　　فصلِ گل، جانِ بہاراں ہیں آپ
چارہ گر سے نہ مسیحا سے غرض　　میرے ہر درد کا درماں ہیں آپ

کوئی اندیشہ نہیں عارفؔ کو
کہ بہر حال نگہباں ہیں آپ



۱۹۷۶ء

جمالِ رسولؐ

جمالِ دلربا اپنا دکھا کر
گئے وہ سب کو دیوانہ بنا کر

تصور یار کا دل میں جما کر
اسے ہم دیکھتے ہیں سر جھکا کر

مرے آقا مجھے اپنا بنا کر
نہ جائیں گے کبھی دامن چھڑا کر

یہ وہ در ہے جہاں فرطِ ادب سے
فرشتے بھی کھڑے ہیں سر جھکا کر

عقیدت ہے مجھے اس آستاں سے
کہ پایا ہے خدا کو اس کو پا کر

یہاں بٹتی ہے نعمت دوجہاں کی
جسے چاہیں وہ دے دیں ہاتھ اٹھا کر

ہماری ان سے نسبت کام آئی
رہے ہر معرکہ میں فتح پا کر

تمنا ہے کہ یہ جھونکے ہوا کے
مدینہ لے چلیں مجھ کو اڑا کر

بناتے ہیں وہاں سب جا کے قسمت
مقدر میں بھی دیکھوں آزما کر



۱۹۷۹ء

درِ مصطفیٰ ﷺ

ہے مسکن شہ دوسرا کا جہاں
خدا کی برستی ہے رحمت وہاں

ہے دیدِ درِ شاہ کی آرزو
لئے چل مدینہ مجھے سارباں

جہاں میں بجز آستانِ نبی
غریبوں کا اور آسرا ہے کہاں

فلک والے ہوں یا کہ اہلِ زمیں
جھکاتے ہیں سر اپنا سارے یہاں

خدا جب ہے شیدائے حسنِ نبی
تصدق نہ کیوں جائیں دونوں جہاں

مجھے عرض کرنے کی حاجت نہیں
عیاں ہے مرا ان پہ دردِ نہاں

شہ دوسرا کی مدد کے لئے
نہ قیدِ زماں ہے نہ شرطِ مکاں

نہیں لگتی کچھ دیر امداد میں
مگر شرط ہے دل سے آہ و فغاں

رہے دل میں ہر لمحہ یادِ نبی
تو ذکرِ پیمبر ہو وردِ زباں

زباں میری مدحت کے قابل نہیں
میں عارفؔ کہاں شاہِ خوباں کہاں

۱۹۷۹ء

دیکھتے ہیں

جہاں ان کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
وہاں سر زمانے کا خم دیکھتے ہیں

نہ منصب نہ جاہ و حشم دیکھتے ہیں
نبی کی نگاہِ کرم دیکھتے ہیں

رضائے نبی سے فقط ہے تعلق
خوشی دیکھتے ہیں نہ غم دیکھتے ہیں

نبی کے کرم کے جو قائل نہیں ہیں
زمانے کے جور و ستم دیکھتے ہیں

نبی کا ہے فیضان ہر وقت جاری
اثر جس کا ہم دمبدم دیکھتے ہیں

تصور میں ابروئے حضرت کے عارفؔ
ہم ہر روز طاقِ حرم دیکھتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۶ء

ولائے ساقیء کوثرؐ

نبی کے عشق کی خوشبو سے جن کے دل مہکتے ہیں
مقدر ان کے مہر و ماہ کی صورت چمکتے ہیں

کروں کیا شرحِ فیضانِ ولائے ساقیء کوثرؐ
دلوں کے بادہء الفت سے پیمانے چھلکتے ہیں

درِ شہوار سے بھی ہیں وہ بڑھ کر قدر و قیمت میں
جو قطرے آنسوؤں کے میری آنکھوں سے ٹپکتے ہیں

بجھے ہیں اور نہ بجھ سکتے ہیں شعلے عشقِ احمد کے
مخالف ہو ہوا تو اور شدت سے بھڑکتے ہیں

ہے ایسا دبدبہ دربارِ سردارِ دوعالم کا
شہنشاہوں کے دل بھی جس سے سینوں میں دھڑکتے ہیں

جو اس ماوائے کل سے اپنا رشتہ توڑ بیٹھے ہیں
ہجومِ نامرادی میں وہ سر اپنا پٹکتے ہیں

علاجِ چشمِ حاسد کیا کسی سے ہو بھی سکتا ہے
ہیں جو گل وہ بھی کانٹوں کی طرح اس میں کھٹکتے ہیں

نہ جانے حق کے آگے لوگ میدانِ قیامت میں
نبی کی صورتِ انور کو کیوں رہ رہ کے تکتے ہیں

نبی سے جنکی سرتابی میں گذری زندگی ساری
جزا میں اسکی دوزخ میں وہ سر کے بل لٹکتے ہیں

محبت میں بسے عارفؔ جو اس جانِ تمنا کی
وہ کچھ اس طرح مہکے ان کے مرقد بھی مہکتے ہیں

۱۹۷۶ء

تم ہو

محمد مصطفیٰ چشم و چراغِ انبیا تم ہو
شہ کون و مکاں تم ہو حبیبِ کبریا تم ہو

تمہاری ذات سے وابستہ زیب و زینتِ عالم
بہارِ دوجہاں تم رونقِ ارض و سما تم ہو

تمہی سے دوجہاں میں روشنی پھیلی ہدایت کی
خدانے خودکہاشمس الضحیٰ بدر الدجیٰ تم ہو

شفیع المذنبیں تم رحمۃ" للعالمیں تم ہو
غریبوں کا سہارا بیکسوں کا آسرا تم ہو

ہے عارفؔ بھی تمہاری چشمِ لطف وفضل کا خواہاں
کرو آسان اس کی مشکلیں مشکل کشا تم ہو

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۲ء

پوچھتے کیا ہو

نبی کی شان ہے کیا شان پوچھتے کیا ہو
خدا ہے جس کا ثنا خوان پوچھتے کیا ہو

کسی سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کیسے تھے
کہا کہ دیکھ لو قرآن پوچھتے کیا ہو

نبی کی ذات کا عرفاں کسی سے ہو نہ سکا
ہیں سارے سر بہ گریبان پوچھتے کیا ہو

ہیں یہ وہ محسنِ اعظم کہ ساری دنیا پر
ہیں بے شمار ہی احسان پوچھتے کیا ہو

عجیب معجزہ خلقِ عظیم کا دیکھا
درندے بن گئے انسان پوچھتے کیا ہو

خدائی طابعِ فرمان کیوں نہ ہو ان کے
گدا ہیں ان کے سلیمان پوچھتے کیا ہو

خبر سب ان کی ہے عارفؔ شہ مدینہ کو
''دلِ شکستہ کے ارمان پوچھتے کیا ہو''



۱۹۷۵ء

جلوہء مصطفیٰ ؐ

نظر میں دل میں کوئی جلوہ گر ہے
مرا دل دلِ نظر میری نظر ہے

کہوں کیا کیا مرے پیشِ نظر ہے
کہ کیوں میری نظر صرف آپ پر ہے

تصور میں یہ منظر سر بسر ہے
جبیں ہے میری ان کا سنگِ در ہے

علاجِ غم کی کچھ پروا نہیں ہے
کہ جس کا غم ہے وہ خود چارہ گر ہے

ہے ان کے در سے قائم جب سے نسبت
گذر اس دن سے بے خوف و خطر ہے

وسیلہ ان کا ہے عارفؔ ضروری
بغیر اس کے دعا بھی بے اثر ہے

۱۹۷۶

☆☆☆☆☆☆

کرتے رہینگے

ہم وصفِ شہنشاہِ امم کرتے رہینگے
یوں ''پرورشِ لوح و قلم کرتے رہینگے''

ہر چند کہ ممکن نہیں وصفِ شہ طیبہ
نعت ان کی جہاں والے رقم کرتے رہینگے

درکار ہے اک چشمِ کرم آپ کی ورنہ
''یہ اہلِ ستم مشقِ ستم کرتے رہینگے''

وہ چاہیں سنیں یا نہ سنیں ان کی ہے مرضی
''اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہینگے''

ہم رنگِ عقیدت سے ہو یا خونِ وفا سے
''تزئینِ در و بامِ حرم کرتے رہینگے''

عصیاں میں ہیں ہم غرق مگر پھر بھی ہے امید
عادت کے مطابق وہ کرم کرتے رہینگے

؎ عارفؔ نہیں کچھ فکر کہ کیا کہتی ہے دنیا
جو بھی ہمیں کرنا ہے وہ ہم کرتے رہینگے



۱۹۷۷ء

عشقِ سرورؐ

دل میں یادِ مصطفیٰ ہے لب پہ ان کا نام ہے
اور تصور روئے اقدس کا بھی صبح و شام ہے

زندگی اور موت دونوں عشقِ احمد میں ہوئے
واہ کیا اچھا مرا آغاز اور انجام ہے

دوسرے کاموں سے اس کو واسطہ ہرگز نہیں
میرے دل کو صرف عشقِ مصطفیٰ سے کام ہے

اپنی جان و مال سے رکھے نہ جو ان کو عزیز
وہ کبھی ایمان میں پختہ نہیں ہے خام ہے

ہو اطاعت ان کی صدقِ دل سے تو ہے بندگی
ہے وہی بندہ جو ان کا بندہء بے دام ہے

ہے کہاں پہلا سا جذبہ دین اور ایمان کا
سچ اگر پوچھو برائے نام اب اسلام ہے

حال پر جس کے شہ طیبہ کی ہو چشمِ کرم
کیا اسے معلوم ہو کیا گردشِ ایام ہے

بات تو جب ہے کہ عارفؔ دیکھتے ہی کہہ اٹھیں
دل نہیں ہے عشقِ احمد کا چھلکتا جام ہے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۷ء

مجھے

جلوہء طور سراپا نظر آتا ہے مجھے
جب کبھی گنبدِ خضریٰ نظر آتا ہے مجھے

یوں تصور ہے بندھا کوئے نبی کا دل کو
آنکھ بند کرتے ہی طیبہ نظر آتا ہے مجھے

ان کے آنے سے ہوئی بزمِ جہاں نورانی
اب بہر سمت اجالا نظر آتا ہے مجھے

انقلاب ہو کہ تغیر ہو کہ گردش کوئی
ان کی نظروں کا تماشا نظر آتا ہے مجھے

غیر معمولی ہیں الطاف و کرم بھی ان کے
تھا جو سائل وہی داتا نظر آتا ہے مجھے

لبِ اعجاز کی اللہ رے مسیحا نفسی
ان کا بیمار مسیحا نظر آتا ہے مجھے

زندگی ان کی محبت میں بسر ہو جائے
یہی جینے کا سلیقہ نظر آتا ہے مجھے

بادہءعشق سے کچھ اس طرح لبریز ہے دل
یہی ساغر یہی مینا نظر آتا ہے مجھے

تازہ جلوے ہیں بہر وقت نظر کے آگے
کیا بتاؤں تمھیں کیا کیا نظر آتا ہے مجھے

آپ پر سارے فدا ہیں تو تعجب کیا ہے
خود خدا آپ کا شیدا نظر آتا ہے مجھے

ساری دنیا کے عوض ان کی گدائی لے لوں
سب سے اچھا یہی سودا نظر آتا ہے مجھے
زہد و تقویٰ تو نہیں عشقِ پیمبر عارفؔ
میری بخشش کا سہارا نظر آتا ہے مجھے

۱۹۷۶ ☆☆☆☆☆☆

رسولِ عربیؐ

آپ کی شان ہے کیا شان رسولِ عربی
جس کا خود حق ہے ثنا خوان رسولِ عربی

میرا ایمان مری جان رسولِ عربی
جان و دل آپ پہ قربان رسولِ عربی

آپ کا نام لیا جس نے خلوصِ دل سے
اس کی مشکل ہوئی آسان رسولِ عربی

عرش پر فرشِ زمیں سے گئے معراج کی شب
بن کے اللہ کے مہمان رسولِ عربی

آپ کی چشمِ عنایت کا ہے طالب عارفؔ
آپ کا بستۂ دامان رسولِ عربی

۱۹۷۲ ☆☆☆☆☆☆

سرورِ عالمؐ

رسول اللہ کا جب بھی کسی محفل میں نام آئے
تو لازم ہے کہ ہر لب پر درود آئے سلام آئے

دعا گر ہے تو بس یہ ہے، تمنا ہے تو بس یہ ہے
قیامت میں تمہارے ہاتھ سے کوثر کا جام آئے

محبت کا تقاضہ ہے عقیدت کی نشانی ہے
کہ نامِ سرورِ عالم زباں پر صبح و شام آئے

قیامت میں تھا عالم نفسی نفسی کا مگر عارفؔ
سیہ کارانِ امت کے لئے سرکار کام آئے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۲ء

آگیا ہے

نبی کا جو محفل میں نام آگیا ہے
ہر اک کی زباں پر سلام آگیا ہے

مدینہ کی جانب کھنچا جا رہا ہوں
شفیع الوریٰ کا پیام آگیا ہے

لقب جن کا ہے خاص ساقیء کوثر
مرے ہاتھ میں ان کا جام آگیا ہے

محبت میں بے ساختہ ذکر ان کا
زباں پر مری صبح و شام آگیا ہے

پہنچ کر مدینہ میں عارفؔ کہوں گا
کہ سرکار اب یہ غلام آگیا ہے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۱ء

﴿حصہ ءدوم﴾

مناقب

فاتحِ بابِ ولایت سیدنا علی

سیدالشہداء سیدنا الحسین ابن علی

سیدالاولیاء سیدنا الشیخ عبدالقادرالجیلانی

سلطان الہند سیدنا معین الدین چشتی

سیدالابدال سیدنا عبداللطیف قادری لاابالی

رضی اللہ عنہم اجمعین

مدحِ علیؑ

مبارک بیکسو مشکل کشا تشریف لائے ہیں
بنا لو اپنی بگڑی سب کی یہ بگڑی بنائے ہیں

بدل جاتی ہیں تقدیریں یہاں اربابِ حاجت کی
بہانے والے آنسو آ کے اس جا مسکرائے ہیں

یہاں دونوں جہاں کی نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں
اسی بابِ کرم سے پائے ہیں سب جو بھی پائے ہیں

انہی کے سر رہا سہرا ہمیشہ سر بلندی کا
جو اس در پر عقیدت سے جبیں اپنی جھکائے ہیں

علی کا گوشہء دامن بنا بخشش کا پروانہ
اسے تھامے ہوئے اہلِ ولا جنت میں آئے ہیں

حقیقت کیا مرے عصیاں کی ان کا بار ہی کتنا
علی کو سب نے دیکھا ہے درِ خیبر اٹھائے ہیں

مثالِ طائرِ سدرہ میں عارفؔ اڑ کے پہنچوں گا
کوئی کہہ دے اگر شاہِ نجف تجھ کو بلائے ہیں



۱۹۷۵ء

سراپائے علیؓ

علی سے آشکارا نورِ مشکوٰۃِ نبوت ہے
سراپا ذات ان کی مظہرِشانِ رسالت ہے

علی قرآں علی فرقاں علی ایماں علی عرفاں
انہی سے علم وحکمت ہے شریعت ہے طریقت ہے

طریقت کے سلاسل سب انہی پر ختم ہوتے ہیں
انہی کی پیشوائی ہے قیادت ہے امامت ہے

ہے ان کی ابتدا بھی حق ہے ان کی انتہا بھی حق
ہے کعبہ میں ولادت ان کی مسجد میں شہادت ہے

ہیں جس کے مصطفیٰ مولیٰ ہیں اس کے مرتضیٰ مولیٰ
یہ رتبہ خاص ہے ان کا یہ خاص ان کی فضیلت ہے

رخِ زیبائے حیدر پر نہ کیوں قربان ہو دنیا
یہ وہ صورت ہے جس کا دیکھ لینا بھی عبادت ہے

مصائب مشکلیں فتنے یہ اٹھ اٹھ کر بتاتے ہیں
علی کی ہر زمانہ کو بہر حالت ضرورت ہے

انہیں چسکا لگا ہے خلق کی مشکل کشائی کا
مصیبت میں ہر اک کے کام آنا ان کی فطرت ہے

کروں میں ناز جتنا اپنی قسمت پر بہت کم ہے
کہ عارفؔ دامنِ مشکل کشا سے مجھ کو نسبت ہے



۱۹۷۶

غمِ شبیرؓ

غمِ شبیر کا جو تخم اپنے دل میں بوتے ہیں وہی جنت میں اعلیٰ منزلت کے اہل ہوتے ہیں
بڑی دولت محبت اہلِ بیتِ مصطفیٰ کی ہے جو اس دولت سے ہیں محروم ان کے بخت سوتے ہیں
کہاں تقدیر میں سب کی گدا شبیر کا ہونا مقدر ہو قوی جن کا وہ اس زمرہ میں ہوتے ہیں
دُرِ مقصد سے بھر لیتے ہیں دامانِ طلب اپنا جو سبطِ فاطمہ کے غم میں منہ اشکوں سے دھوتے ہیں
جھڑی پیہم ہے جاری آنسوؤں کی دونوں آنکھوں سے پئے نذرانہ یعنی ہار میں موتی پروتے ہیں
زمیں والے ہی ان کو یاد کر کر کے نہیں روتے مصائب پر شہیدوں کے فلک والے بھی روتے ہیں
علی اکبر علی اصغر کو بھی ہائے نہیں چھوڑا نہ سونچا ظالموں نے یہ علی کے خاص پوتے ہیں
مظالم پر جو نازاں تھے یزیدی قافلہ والے جہنم میں وہ پڑ کر قسمتوں کو اپنی روتے ہیں

بہت مضبوط تھامو دامنِ آلِ عبا عارفؔ
جو اس کو چھوڑتے ہیں دولتِ دارین کھوتے ہیں



۱۹۷۶ء

جنت بداماں

بندہء عاصی کی بخشش کا بھی ساماں ہوگیا
ان کا دامن کیا ملا جنت بداماں ہوگیا

جذبہء وابستگی یوں بھی نمایاں ہوگیا
جب قلم میرا اٹھا ان کا ثناخواں ہوگیا

ضوفشانی علم و حکمت کی جو اس در سے ہوئی
ہر گدا اک شمعِ راہِ رہنمایاں ہوگیا

فیضِ ربانی، فتوح الغیب سب اس در سے ہیں
ان کے در پہ آ کے ہر ناشاد شاداں ہوگیا

کیا عجب گر لب پہ ان کا ذکر ہو صبح و مسا
مثلِ آیینہ یہ دل تصویرِ جاناں ہوگیا

قادریم قادریم قادریم قادری
کیا کرم، کیا فضل، کیا فیضِ فراواں ہوگیا

لا تخف واشِ نے دل کو حوصلہ ایسے دیٔے
ھم و طب و اشطح سداور دِرگِ جاں ہوگیا

شانِ محبوبی انہیں عارفؔ سمجھ میں آئے کیا
جن کو خود پر ہی قیاسِ کارِ پاکاں ہوگیا



۲۰۰۶ء

مہرِ سیادت

نیرِ برجِ شرف مہرِ سیادت غوث ہیں
اک مجسم حسنِ آئینِ امامت غوث ہیں

محیء دیں، محبوبِ حق، سلطانِ جملہ اولیاء
حامیء دیں، ماحیء کفر و ضلالت غوث ہیں

دوش پر جنکے قدم لینا ولایت کی ہے اصل
آیتِ لایحزنون کی وہ شہادت غوث ہیں

کہہ رہا ہے یہ فتوح الغیب کا ایک ایک حرف
پیکرِ علم و عمل، بحرِ ہدایت غوث ہیں

کیا تجارت، کیا سخاوت، کیا عبادت، کیا عمل
ہر قدم شاہد ہے کوہِ استقامت غوث ہیں

مرتبت عالی، مقام عالی، اور عالی منزلت
انتم الاعلون کی گویا صداقت غوث ہیں

علم، عمل، اخلاص، تقویٰ، استقامت، اجتہاد
اک مسلسل موجِ دریائے کرامت غوث ہیں

لا تائسوا کی ہے اک تشریح قولِ لا تخف
سر بسر تفسیرِ قرانِ ہدایت غوث ہیں

دستگیری کیوں نہ پھر ورثہ میں ملتی آپ کو
جانشینِ صاحبِ تاجِ ولایت غوث ہیں

ان سے وابستہ ہیں پھر کیا خوفِ گمراہی ہمیں
ہر جگہ ہر دم ہمیں بہرِ قیادت غوث ہیں

سمِ قاتل ہے عزوم "قاتل" عند القتال
اس کا کیا کہنا ہے عارفؔ جس کی طاقت غوث ہیں



۱۹۹۰ء

مخمس

میری قسمت میں بھی کاش ایسی گھڑی آئی ہو　　بزمِ خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو
ان کا نقشِ کفِ پا لطفِ جبیں سائی ہو　　جذبہء عشق کی اس طرح پذیرائی ہو
میں رہوں ان کا تصور رہے تنہائی ہو

جن کی رفعت پہ فدا عظمت و دارائی ہو　　جن کی عظمت پہ بھی رحمت کی گھٹا چھائی ہو
جن کی رحمت تنِ بے جان میں جان لائی ہو　　جن کی نسبت سے ہر اک گام پہ بن آئی ہو
''کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو''

غوثِ اعظم کی گدائی جسے ہاتھ آئی ہو　　خاکِ پا ان کی جسے سرمہء بینائی ہو
جس نے جاں ان پہ لٹانے کی قسم کھائی ہو　　جو دل و جان سے سرکار کا شیدائی ہو
اس کو مشکل ہے کہ مشکل سے شناسائی ہو

اوج ایسا ہو ارادوں کی وہ اونچائی ہو　　منزلت وہ ہو جہاں جس کا تمنائی ہو
رحمتِ حق کی گھٹا چار سو یوں چھائی ہو　　قدرتِ صانعِ قدرت کی وہ رعنائی ہو
ہر گدا غوث کا اک مرکزِ دانائی ہو

خوش نصیبی ہو بڑی حوصلہ افزائی ہو　　گر کبھی بادِ صبا امرِ طلب لائی ہو
بختِ خفتہ کو جگانے کی نوید آئی ہو　　قلبِ مضطر رہے ارمانوں کی انگڑائی ہو
آپ ہوں آپ کا اندازِ مسیحائی ہو

زخمِ دل رستے تھے جو پاؤں کے چھالوں کی طرح　　اب مہکتے ہیں وہ غنچوں بھرے ڈالوں کی طرح
لہلہانے لگے صحرا بھی نہالوں کی طرح　　ظلمتِ دہر میں کون آیا اجالوں کی طرح

ایسے لگتا ہے خزاں میں بھی بہار آئی ہو

زیست اس طرح کٹے ان کی محبت میں جئیں   موت اس طرح سے ہو ان کے تصور میں مریں
روزِ محشر اسی نسبت کے تقاضے یہ ہیں   الفتِ غوث پہ نازاں جو ہیں جنت میں چلیں
جس کا معیار ہے تقویٰ وہ تماشائی ہو

رب کے دربار میں ہاتھ اپنے جو پھیلاتا ہے   اپنے عصیاں پہ نظر کرتا ہے شرماتا ہے
مانگنے کا یہ طریقہ ہے وہ یوں پاتا ہے   گوشۂ دامنِ محبوب لئے آتا ہے
اب گنہ گار کی لازم ہے کہ شنوائی ہو

یوں بھی ہے فیض رساں نسبتِ غوث الثقلین   کرتے ہیں ہم جو بیاں عظمتِ غوث الثقلین
ورنہ ہے سرِ نہاں حشمتِ غوث الثقلین   وہ کہاں اور کہاں مدحتِ غوث الثقلین
جن کا مقصد ہی فقط قافیہ پیمائی ہو

گامزن راہ پہ ان کی جو گدا ہوجائیں   ان کی تعلیم پہ گر دل سے فدا ہوجائیں
رب سے واصل رہیں دنیا سے جدا ہوجائیں   مشکلیں آ بھی نہ پائیں کہ فنا ہوجائیں
ربط ایسا ہو عقیدت کی وہ گہرائی ہو

جن کے الطاف سے قطرہ بھی سمندر بن جائے   جن کے دربار میں ذرہ بھی سکندر بن جائے
شاہ بھی جن کے یہاں مثلِ سگِ در بن جائے   کیا عجب ہے کہ جو عارفؔ کا مقدر بن جائے
ان سے وابستگی اتنا تو اثر لائی ہو



۱۹۹۱ء

مخمس

عالمِ علمِ شریعت غوث ہیں رہبرِ راہِ طریقت غوث ہیں
منبعِ اسرار و حکمت غوث ہیں مرجعِ اہلِ فضیلت غوث ہیں
لائقِ توقیر و عظمت غوث ہیں

وہ سیادت وہ سعادت وہ شرف وہ ریاضت وہ مجسم من عرف
وہ سخاوت ہر نظر جسکی طرف ہر عمل اس بات کا ہے معترف
پیکرِ قرآن و سنت غوث ہیں

مظہرِ قدرت ہیں وہ قدرت یہ ہے باعثِ احیائے دیں بعثت یہ ہے
صنعتِ تخلیق کی ندرت یہ ہے عبدیت تو ہے مگر حالت یہ ہے
اوجِ سروِ آدمیت غوث ہیں

لطفِ خالق کی عنایت ہے یہی ایک کوہِ استقامت ہے یہی
استقامت ہے کرامت ہے یہی ہر کرامت کی شہادت ہے یہی
سر بسر عینِ کرامت غوث ہیں

ہر طرف فیضِ رواں ہے دیکھئے ایک بحرِ بے کراں ہے دیکھئے
کنہِ رازِ کن فکاں ہے دیکھئے قدرتِ قادر عیاں ہے دیکھئے
قادرِ مطلق کی قدرت غوث ہیں

وہ فتوح الغیب سے مئے نوشیاں فیضِ ربانی کی ہیں سرپوشیاں
چھا گیئں ہر سمت جب مدہوشیاں عظمتیں کرنے لگیں سرگوشیاں

عظمتِ معیارِ عظمت غوث ہیں

معصیت سے جب بڑھی مردہ دلی پاس ان کے کھینچ لائی بے کلی
پھر ہوائے لطف کچھ ایسی چلی آج سارق کہتا ہے بن کے ولی
''مرکزِ رشد و ہدایت غوث ہیں''

تشنگانِ دید اور اعلانِ دید اوراس پرنعرہء ھــل مــن مــزیــد
کیوں نہ ہو روزِ قیامت روزِ عید لا تـــــخف واشِ کی آتی ہےنوید
خوف کیا جب اپنی ہمت غوث ہیں

لطفِ پیہم کا ہے اک یہ بھی کرم ان کے دامن سے جو وابستہ ہیں ہم
ان کی حاصل ہے قیادت دمبدم کامیابی کیوں نہ پھر چومے قدم
کامیابی کی ضمانت غوث ہیں

اجتھاد ارشاد یا امر و نہی بن گئی معیار سب ان کی کہی
مقتدائے اہلِ عرفاں ہیں وہی ہر زمانہ کہتا ہے عارفؔ یہی
ہر زمانہ کی ضرورت غوث ہیں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۹۱ء

شام وسحر اپنی

کس لطف سے ہوتی ہے یہ عمر بسر اپنی
ذکرشہِ جیلاں ہے اور شام و سحر اپنی

ہے ذوقِ نظر اپنا تقدیرِ نظر اپنی
نظروں میں ہیں وہ نظریں اُٹھتی ہیں جدھر اپنی

بے چین ہے دل اپنا بے تاب نظر اپنی
لائے گی مگر جانے کب آہ اثر اپنی

بغداد میں کوئی ہے کوئی ہے مدینہ میں
دیکھیں لئے جاتی ہے تقدیر کدھر اپنی

جب ان کی معیت ہے جب ان کا سہارا ہے
پھر کیوں نہ گذر ہوگی بے خوف و خطر اپنی

ہر گام پہ منزل کا ہوتا ہے گماں سب کو
حیرت میں ہیں سب کیسی ہے راہ گذر اپنی

ہیں غوث سے وابستہ عقبیٰ کا ہمیں ڈر کیا
وہ ہیں تو یہ منزل بھی ہو جائے گی سر اپنی

بے فکر جئیں گے ہم بے فکر مریں گے ہم
کیوں فکر کریں عارفؔ ان کو ہے خبر اپنی

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۱ء

پیرانِ پیرؒ

مقتدائے عارفاں پیرانِ پیر ۔۔۔ رہنمائے گمرہاں پیرانِ پیر
دینِ حق کے پاسباں پیرانِ پیر ۔۔۔ آپ ہی ہیں بے گماں پیرانِ پیر
آپ سے کیا ہے نہاں پیرانِ پیر ۔۔۔ آپ پر سب ہے عیاں پیرانِ پیر
ان کو مشکل میں پکارا ہے جہاں ۔۔۔ آگئے فوراً وہاں پیرانِ پیر
آپ جس کے حال پر ہیں مہرباں ۔۔۔ حق ہے اس پر مہرباں پیرانِ پیر
سایہء دامن میں آ کر آپ کے ۔۔۔ مٹ گئیں بے تابیاں پیرانِ پیر
ہیں علی مشکل کشا کے جانشیں ۔۔۔ ’’دستگیرِ بے کساں پیرانِ پیرؒ‘‘
کیا سخاوت آپ کی فیض آپ کا ۔۔۔ ایک بحرِ بے کراں پیرانِ پیر
رہروانِ راہِ حق سب قادری ۔۔۔ اور میرِ کارواں پیرانِ پیر
مجھ پہ بھی ہو جائے اک چشمِ کرم ۔۔۔ آپ کا ہوں مدح خواں پیرانِ پیر

آپ کی نسبت سے ہی عارفؔ کی ہیں
ساری یہ جولانیاں پیرانِ پیر



۱۹۸۱

غوثؒ

کاشفِ اسرارِ باطن قطبِ اہلِ دل ہیں غوث
بزمِ دینِ مصطفیٰ کی رونقِ محفل ہیں غوث

محی ءدیں ہیں قدرتِ قادر ہیں غوثِ پاک ہیں
ماحیء کفر و ضلالت مصلحِ کامل ہیں غوث

عابد و زاہد فقیہہ و دستگیرِ بے کساں
دیکھئے جس زاویہ سے غوث کو کامل ہیں غوث

آپ کے فیضان سے ہر سلسلہ ہے مستفید
ہم تو کیا ہیں اولیاء بھی آپ کے قائل ہیں غوث

شاہراہیں ختم ہیں سب سرحدِ بغداد پر
راہِ صدق ومعرفت کی آخری منزل ہیں غوث

بس گئی ہے دل میں ایسی الفتِ غوث الوریٰ
ایسے لگتا ہے کہ ہر ہر سانس میں شامل ہیں غوث

اک وحید القادری عارفؔ کا ہی کہنا نہیں
سارے عارف کہہ رہے ہیں عارفِ کامل ہیں غوث



۱۹۸۲ء

شانِ غوثؒ

اللہ اللہ یہ مقام و رتبہء ذیشانِ غوث
اولیاء کی ہے تمنا ہم بنیں دربانِ غوث

ہے گروہِ انبیاء میں جیسی شانِ مصطفیٰ
ہے اسی طرح گروہِ اولیاء میں شانِ غوث

سب محبّ اللہ کے ٹھہرے مگر اللہ کو
خلعتِ محبوبیت آئی نظر شایانِ غوث

یہ خدا کے تابعِ فرمان ایسے ہوگئے
ہوگئی ساری خدائی تابعِ فرمانِ غوث

لا تخف کہنا فقط حصہ تھا غوثِ پاک کا
حکمِ حق تھا در حقیقت شاملِ اعلانِ غوث

تابشِ خورشیدِ محشر سے نہیں دل مضطرب
چترِ رحمت بن گیا ہے سایہء دامانِ غوث

سب اسی خوانِ کرم سے ہیں ہمیشہ فیضیاب
کون ہے ایسا کہ جس کے سر نہیں احسانِ غوث

فہمِ انسانی سے بالا ہے مقامِ غوثیت
یعنی عارفؔ کو بھی ہو سکتا نہیں عرفانِ غوث

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۲ء

غوثِ پاکؒ

رہبروں کے رہنما ہیں غوثِ پاک
اولیاء کے پیشوا ہیں غوثِ پاک

مرکزِ جود و سخا ہیں غوثِ پاک
منبعِ فیض و عطا ہیں غوثِ پاک

کیا بتاؤں میں کہ کیا ہیں غوثِ پاک
مظہرِ نورِ خدا ہیں غوثِ پاک

نورِ مطلق کی ضیا ہیں مصطفیٰ
مصطفیٰ کا آئینہ ہیں غوث، پاک

تارِ ہستی منسلک جیلاں سے ہے
سازِ ہستی کی صدا ہیں غوثِ پاک

عبد اور قادر میں کچھ پردہ نہیں
ذاتِ حق میں یوں فنا ہیں غوثِ پاک

سرحدِ ادراک سے ہیں ماورا
عبدیت کی انتہا ہیں غوثِ پاک

اتقیا ہیں متفق اس بات پر
سرورِ کل اتقیا ہیں غوثِ پاک

وقفِ مدحِ غوث اس کی ذات ہے
قلبِ عارفؔ کی ضیا ہیں غوثِ پاک

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۳ء

۔۔اور میں ہوں

دلِ درد آشنا ہے اور میں ہوں
کسی کا تذکرہ ہے اور میں ہوں

مری قسمت رسا ہے اور میں ہوں
کہ دامن غوث کا ہے اور میں ہوں

تصور میں درِ غوث الوریٰ ہے
مرا دستِ دعا ہے اور میں ہوں

جبیں ہے اور لطفِ جبہ سائی
درِ غوث الوریٰ ہے اور میں ہوں

مرا دن کیا ہے میری رات کیا ہے
تصور آپ کا ہے اور میں ہوں

ہے ان کا لطفِ بیحد اور وہ ہیں
دلِ بے مدعا ہے اور میں ہوں

ہے دامن ہاتھ میں غوث الوریٰ کا
مرا عہدِ وفا ہے اور میں ہوں

مجھے منزل کا کچھ کھٹکا نہیں ہے
کہ ان کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں

مجھے دنیا کی کیا پروا ہو عارفؔ
کہ ان کا آسرا ہے اور میں ہوں

۱۹۸۰ء



درِغوثؒ

درِ غوث الوریٰ پر جو بہ حالِ زار آتے ہیں
گلِ مقصود لیکر اپنے دامن میں وہ جاتے ہیں

گدا ان کے زر و دولت کو کب خاطر میں لاتے ہیں
ملے گر بادشاہی بھی اسے ٹھوکر لگاتے ہیں

جھکائیں ہم اگر سر اپنا اس در پر تعجب کیا
یہ وہ در ہے جہاں اقطاب اپنا سر جھکاتے ہیں

وہ ہیں فریاد رس سب کے لقب ہے دستگیر ان کا
اسی باعث انہیں سب سرگذشت اپنی سناتے ہیں

مرید ان کا اگر ان کو صدا دے دور مشرق سے
وہ اس کی دستگیری کے لئے مغرب سے آتے ہیں

مری سوئی ہوئی قسمت بنانا کیا انہیں مشکل
لگا کر اپنی ٹھوکر جب وہ مردوں کو جِلاتے ہیں

جو سچ پوچھو ہے یہ بھی ان کی بندہ پروری عارفؔ
ہمارے ناز جو اپنے کرم سے وہ اٹھاتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۰ء

کیا پایا

ذاتِ غوث میں ہم نے حسنِ مصطفیٰ پایا
سیرتِ حسن دیکھی عزمِ مرتضیٰ پایا

انقلاب یہ آیا عشقِ شاہِ جیلاں میں
ہم نے خانہء دل کو خانہء خدا پایا

ان سے ربط نے دل کو حوصلے وہ بخشے ہیں
اس کو ہر مصیبت میں جرأت آزما پایا

دی صدا اغثــــــــنی کی ان کو قلبِ مضطر نے
جب فلک کے تیور کو اس نے کج ادا پایا

ان کی دستگیری کا حال پوچھیئے ہم سے
''دستِ غوث کو ہم نے دستِ کبریا پایا''

ربطِ غوث نے بدلا رنگ زندگانی کا
رند جس کو دیکھا تھا اس کو پارسا پایا

ان کی ہے رضا سب کچھ اپنی کچھ نہیں خواہش
اپنے دل کو ہم نے اک سازِ بے صدا پایا

جتنے اولیاء ہیں سب مرتبہ میں اونچے ہیں
غوث کا مگر رتبہ سب سے ماورا پایا

بند جب ہوئے عارفؔ سب جہاں کے دروازے
ایسے وقت بھی ہم نے ان کے در کو وا پایا

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۰ء

ذکرِ غوثؒ

ہر زباں پر تذکرہ ہے غوث کا
ذکر ہر جا ہو رہا ہے غوث کا

سبز جھنڈا جو نشانِ فوز ہے
جا بجا لہرا رہا ہے غوث کا

غوث ہیں سب خلق کے مشکل کشا
اور خدا مشکل کشا ہے غوث کا

سوچتا ہوں میں کہ ان کا کیا نہیں
لوگ جب کہتے ہیں کیا ہے غوث کا

مرتضیٰ اور مصطفیٰ بیزار ہیں
اس سے جو بھی بے وفا ہے غوث کا

جو محبت میں فنا ہے غوث کی
وہ حقیقت میں گدا ہے غوث کا

جو سمجھ میں آ نہیں سکتا وہی
یہ سمجھ لو مرتبہ ہے غوث کا

اس کی قسمت ہے اسی کا ہے نصیب
جس کو دامن مل گیا ہے غوث کا

اپنی نسبت پر ہے ناز عارفؔ مجھے
دل مرا اک آئینہ ہے غوث کا

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۹ء

قریب

ہے کرم ان کا جو میں ہوں ان کی محفل سے قریب
ورنہ مجھ سا ذرہ اور اس بدرِ کامل کے قریب

اپنا اپنا ہے مقدر اپنی اپنی یافت ہے
کوئی ہے نزدیک حق کے کوئی باطل کے قریب

آگے آگے بڑھ رہا ہے کاروانِ زندگی
ہر تنفس کر رہا ہے مجھ کو منزل کے قریب

یہ ہدایت مجھ کو اک پیرِ طریقت سے ملی
گردِ رہ ہو جاؤں تا ہو جاؤں منزل سے قریب

منکرینِ غوث کیسے ڈوبے ہم سے پوچھئے
ہم نے دیکھا ہے تماشہ رہ کے ساحل سے قریب

ہم نشینی حضرتِ عارف[1] کی جن کو مل گئی
ہو گئے وہ خود بخود عرفاں کی منزل کے قریب

دور ہیں ان سے جو تھے دور اور عارفؔ کے لئے
حضرتِ عارفؒ ابھی ہیں دیدہ و دل سے قریب

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۸ء

۱۔ حضرت سید وحید القادری الموسوی عارفؒ

غوثِ صمدانیؒ

خدا کا خاص ہے ہم پر کرم یا غوثِ صمدانی
ہوئے جو آپ سے وابستہ ہم یا غوثِ صمدانی

نہیں ہے خواہشِ جاہ وحشم یا غوثِ صمدانی
تمہاری بس ہے اک چشمِ کرم یا غوثِ صمدانی

اٹھی جو آپ کی چشمِ کرم یا غوثِ صمدانی
ہوئے کافور سارے رنج وغم یا غوثِ صمدانی

خبر لیجے خبر لیجے خبر لیجے خبر لیجے
نہ کردے غرق یہ طوفانِ غم یا غوثِ صمدانی

تمہاری اک نظر سے رشتہء تقدیر کے میرے
ابھی کھل جائیں سارے پیچ وخم یا غوثِ صمدانی

یہی دو چیز ہیں نزدیک جن کو نذر لایا ہوں
دلِ مضطر ہے اور ہے چشمِ نم یا غوثِ صمدانی

کبھی روضہ پہ کرکے یاد آنکھیں کیجئے ٹھنڈی
سہوں کب تک جدائی کے ستم یا غوثِ صمدانی

خبر ہے سب زمانہ کو تمہارا نام لیوا ہوں
ہے سب میں بس یہی میرا بھرم یا غوثِ صمدانی

ولائے غوث کا سارا کرشمہ ہے یہ اے عارفؔ
ہے جو میری زباں پر دمبدم یا غوثِ صمدانی

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۷ء

نسبتِ شاہِ جیلاںؒ

مری گردن میں ہے طوقِ غلامی شاہِ جیلاں کا
اسی باعث ہوں منظورِ نظر سب اہلِ عرفاں کا

مرے سرکار نے مجھ کو کچھ اس طرح نوازا ہے
کہ موقع ہی نہیں ملتا کبھی اظہارِ ارماں کا

گدا کا ذکر کیا مرہونِ منت ہیں شہنشہ بھی
ہے ایسا کون جس کے سر نہیں باران کے احساں کا

بنے جس وقت سے میرے مسیحا شاہِ جیلانی
خیال آنے نہیں پاتا کبھی نزدیک درماں کا

جنونِ عشق میں کچھ ایسا رنگِ بے نیازی ہے
نہ فکرِ جیب و دامن ہے نہ اندیشہ گریباں کا

ہے نسبت شاہِ جیلاں کی محافظ دین و ایماں کی
اثر کیا اس پہ ہوگا اب نوا ہائے پریشاں کا

سلامت ناخدا اپنا تو کشتی بھی سلامت ہے
وہ ہیں لوگ اور جن کو دغدغہ رہتا ہے طوفاں کا

یہ اپنی اپنی قسمت اپنی اپنی یافت ہے عارفؔ
ہمیں دامن ملا اور قافیہ اوروں کو داماں کا



۱۹۷۷ء

جیسے

منبعِ عطا جیسے مرکزِ سخا جیسے
میرے حق میں سب کچھ ہے اک در آپ کا جیسے

ہوگیا ہوں لاپروا فکرِ دین و دنیا سے
غوث کی غلامی میں سب ہی مل گیا جیسے

کٹ رہی ہے یوں میری آپ کے تصور میں
آ رہا ہو فرقت میں وصل کا مزا جیسے

جب نظر پڑی اپنی عازمینِ جیلاں پر
یوں تڑپ اٹھے دل میں درد سا اٹھا جیسے

ان کے در کی نسبت نے کیا سے کیا بنا ڈالا
ایک بندہء عاصی شاہ بن گیا جیسے

سن کے لا تـــــــــخف عارفؔ ہم کو یہ ہوا محسوس
آستانِ فیض ان کا سب پہ ہو کھلا جیسے



۱۹۷۶

نصیب

ان کے در کے پالے ہیں ہم نصیب والے ہیں
دزد بن گیا ہے بدل یہ کرم نرالے ہیں
لڑکھڑا گئے جب بھی وہ ہمیں سنبھالے ہیں
کون ہے جو ہے محروم آپ کس کو ٹالے ہیں
ان کے در کے کتے بھی کس قدر جیالے ہیں
ان کا جو بھی ہوجائے اس کے بول بالے ہیں
جان و دل سے جان و دل آپ کے حوالے ہیں
کفر کے اندھیروں میں آپ سے اجالے ہیں
تیرے بول بھی عارفؔ
کیسے بھولے بھالے ہیں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۶ء

ساتھ

ہے آشنا کے ساتھ نہ ناآشنا کے ساتھ
دل کو فقط ہے ربط شہ اولیا کے ساتھ

اچھا ہوا کہ روزِ ازل ہی سے ہوگئے
ہم خوش نصیب دامنِ غوث الوریٰ کے ساتھ

دامن پکڑ کے جس کا چلے ہیں بڑے بڑے
میں بھی رواں دواں ہوں اسی رہ نما کے ساتھ

منزل ہماری ایک ہے اور راہ بر بھی ایک
ہم وہ نہیں جو چل پڑیں ما و شما کے ساتھ

جو ان سے دور ہے بخدا حق سے دور ہے
جو ان کے ساتھ ہے بخدا ہے خدا کے ساتھ

بارش کی طرح عام ہے فیضان غوث کا
یکساں کرم ہے آپ کا شاہ و گدا کے ساتھ

سوئے ہوئے تھے عرصہ سے جو نیند موت کی
سب اٹھ گئے وہ آپ کی بانگِ درا کے ساتھ

غوث الوریٰ کا سب سے یہ آسان ہے پتہ
ہوں گے کسی غریب کے یا بے نوا کے ساتھ

شاہوں کو بھی ہے ان کی گدائی کی آرزو
الطاف ان کے دیکھ کے اپنے گدا کے ساتھ

عارفؔ نظر نہ آیا مجھے ایسا دستگیر
آجائے جو مدد کے لئے بس ندا کے ساتھ

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۶ء

شاہِ جیلانیؒ

میں ہوں روزِ ازل سے مبتلائے شاہِ جیلانی   مرا دل اور مری جاں ہے فدائے شاہِ جیلانی
مرے دل میں مری آنکھوں میں آئے شاہِ جیلانی   کرم سے اپنے دونوں کو بسائے شاہِ جیلانی
کچھ اس انداز سے نقشہ جمائے شاہِ جیلانی   نظر آتا نہیں کوئی سوائے شاہِ جیلانی
مبارک دل وہ جس میں ہے ولائے شاہِ جیلانی   مبارک سر کہ جس میں ہے ہوائے شاہِ جیلانی
تعالیٰ اللہ یہ عز و علائے شاہِ جیلانی   ہے گردن ہر ولی کی زیرِ پائے شاہِ جیلانی
خوشا وہ زندگی جو ہو برائے شاہِ جیلانی   زہے وہ موت جو آئے بہ پائے شاہِ جیلانی
جہاں کے گوشہ گوشہ میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا   منور ہوگئی دنیا جو آئے شاہِ جیلانی
شریعت ہوگئی زندہ طریقت ہوگئی تازہ   خدا سے اسکے بندوں کو ملائے شاہِ جیلانی
ہیں اب ہم جیسے ان کے دامنِ عالی کے سایہ میں   رہینگے حشر میں زیرِ لوائے شاہِ جیلانی
رضا جوئی نہ کیوں انکی کریں سارے جہاں والے   رضائے شاہِ طیبہ ہے رضائے شاہِ جیلانی

میں اپنے سر کے بل چلتا ہوا بغداد پہنچوں گا
کوئی کہہ دے اگر عارفؔ بلائے شاہِ جیلانی



۱۹۷۶ء

غوثِ پاکؒ

ہاتھوں میں جس کے آپ کا داماں ہے غوثِ پاک
وہ خوش نصیب خسروِ دوراں ہے غوثِ پاک

جس دل میں آپ کی ہے محبت بسی ہوئی
وہ دل نہیں ہے کعبہء ایماں ہے غوثِ پاک

بیٹھا جو در پہ آپ کے محسوس یہ ہوا
میرے لئے یہ تختِ سلیماں ہے غوثِ پاک

لطف و کرم حضور کا شامل اگر رہے
ہر منزلِ حیات پھر آساں ہے غوثِ پاک

چشمِ کرم کا ایک اشارا مرے لئے
سب درد کا علاج ہے درماں ہے غوثِ پاک

سب سرنگوں ہیں آپ کے خادم کے سامنے
ہر سگ تمہارا شیرِ نیستاں ہے غوثِ پاک

للہ کبھی تو آپ کا جلوہ دکھایئے
مدت سے دل میں دید کا ارماں ہے غوثِ پاک

قالب میں دیں کے آپ نے یوں روح پھونک دی
سب کائینات جس کی ثنا خواں ہے غوثِ پاک

ہے وجہِ ناز آپ کی نسبت اسی لئے
عارفؔ بھی اپنے بخت پہ نازاں ہے غوثِ پاک



۱۹۷۶ء

محی الدینؒ

تمہاری ذات لاثانی محی الدین جیلانی
تمہاری شکل نورانی محی الدین جیلانی

مری جانب نگاہِ لطف گر سرکار ہوجائے
تو زائل ہو پریشانی محی الدین جیلانی

شہنشاہی سے بڑھ کر ہے نگاہِ اہلِ عرفاں میں
تمہارے در کی دربانی محی الدین جیلانی

مدد کیجے مدد کیجے مدد کیجے مدد کیجے
کہ روز افزوں ہے حیرانی محی الدین جیلانی

گدائے غوث ہوں عارفؔ انہی کے ہاتھ ہے ہردم
مری عزت مری بانی محی الدین جیلانی

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۵ء

روئے غوثؒ

روئے عارفؒ[1] مظہرِ انوارِ روئے غوث ہے
سیرتِ عارفؒ مکمل شرحِ خوئے غوث ہے

گلشنِ بغداد کا یہ وہ گُلِ شاداب تھا
جس نے دیکھا کہہ اٹھا یہ رنگ و بوئے غوث ہے

جب انہیں دیکھا تو دیکھا ان کو بس اس حال میں
دل میں یادِ غوث لب پر گفتگوئے غوث ہے

اہلِ دل نے کشف سے دیکھا ہے عارفؒ کا مقام
بارگاہِ غوثیت میں روبروئے غوث ہے

جس نے دیکھی ان کی صورت بول اٹھا بے ساختہ
''دیکھنا اس آیئنہ میں عکسِ روئے غوث ہے''

پڑھ رہا تھا میں فتوح الغیب تو ایسا لگا
جیسے تنہائی میں مجھ سے گفتگوئے غوث ہے

علم کی خاطر کیا اپنے وطن کو خیر باد
کیا تلاشِ حق ہے کیسی جستجوئے غوث ہے

وہ مبارک آنکھ ہے جس میں ہے جلوہ غوث کا
وہ مبارک دل ہے جس میں آرزوئے غوث ہے

اپنا دامن کیوں نہ سب پھیلائیں ان کے سامنے
لطف و جود و فضل اور احسان خوئے غوث ہے

پاک کرنا اپنے اعضاء کا ہے یہ سب کا وضو
ہاتھ دھونا دونوں عالم سے وضوئے غوث ہے

داغِ عصیاں کے اگر دامن پہ ہیں کچھ غم نہیں
عاصیوں کے واسطے ہی شست و سوئے غوث ہے

ہونے دو گر ہے کسی کا اور مقصودِ نظر
منزلِ مقصودِ عارفؔ صرف کوئے غوث ہے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۵ء

[1] حضرت سید وحید القادری الموسوی عارفؒ

خسروِخوباںؒ

حسن کے جس کے ہیں سب لوگ ثناخوانوں میں
ہوں اسی خسروِ خوباں کے میں دیوانوں میں

عارضی حسن کو کیا نورِ قِدم سے نسبت
شمع وہ اور ہے میں جس کے ہوں پروانوں میں

دیکھ لیں جن کو تو بس یاد خدا آجائے
ایسے انسان بھی آئے نظر انسانوں میں

ذکر کس کا سرِ محفل یہ خدایا آیا
آگئی جس کے سبب تازگی ایمانوں میں

مردنی چھائی ہوئی تھی جو وہ باقی نہ رہی
محیء دیں آئے تو جاں آگئی بے جانوں میں

ان کے دیوار کے سائے میں عجب لطف ملا
مل سکا جو نہ بڑے سے بڑے ایوانوں میں

خوش مقدر ہیں درِ غوث پہ جانے والے
درِ مقصود لئے آتے ہیں دامانوں میں

فکر فتنوں کی نہیں خوف حوادث کا نہیں
ہے کرم غوث کا جس دم سے نگہبانوں میں

ساغرِ ساقیء بغداد ہے عارفؔ کچھ اور
بات یہ آ نہ سکی دوسرے پیمانوں میں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۴ء

غوثِ اعظمؒ

بہت ہوگئے رنج و غم غوثِ اعظم
خدا را نگاہِ کرم غوثِ اعظم

غلامی کی آقا رہے لاج ہماری
نہ کھل جائے سارا بھرم غوثِ اعظم

ہوا جا رہا سر سے اونچا ہے پانی
ڈبو دے نہ طوفانِ غم غوثِ اعظم

حوادث کے گرداب میں پھنس گیا ہوں
زباں پر ہے اب دمبدم غوثِ اعظم

چلے جارہے ہیں چلے جارہے ہیں
بہت ہم پہ تیرِ ستم غوثِ اعظم

نگاہِ کرم کا ہے محتاج عارفؔ
ہو اس پر نگاہِ کرم غوثِ اعظم

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۴ء

سرتاجِ اولیاؒ

ہوئے رہبرِ اصفیا غوثِ اعظم
بنے نائبِ مصطفیٰ غوثِ اعظم

جگر گوشہء مرتضیٰ غوثِ اعظم
ہوئے سب کے مشکل کشا غوثِ اعظم

بنے ہم تمہارے گدا غوثِ اعظم
مٹے سارے رنج و بلا غوثِ اعظم

ہمارا بھلا ہوگیا غوثِ اعظم
ملا آپ کا آسرا غوثِ اعظم

نہ کیوں مشکلیں حل ہوں ساری ہماری
ہمارا وظیفہ ہے یا غوثِ اعظم

مرے سامنے آئی جب کوئی آفت
زباں پر مرے آگیا غوثِ اعظم

نگاہوں میں میری کچھ ایسے بسے ہیں
ہیں ہر سمت جلوہ نما غوثِ اعظم

قدم ان کے اقطاب لیں کیوں نہ سر پر
ہیں سرتاجِ کل اولیا غوثِ اعظم

نگاہِ کرم کا ہے محتاج عارفؔ
نگاہِ کرم اس پہ یا غوثِ اعظم

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۴ء

سیرتِ غوثؒ

تھی عیاں خورشید کی مانند سیرت غوث کی
پھر بھی پوشیدہ رہی سب سے حقیقت غوث کی

یہ اگر کم ہو تو سمجھو نقص ہے ایمان کا
اصل میں معیارِ ایماں ہے عقیدت غوث کی

اس سے آثارِ سعادت ہونے لگتے ہیں عیاں
بس ہی جانا ہے کسی دل میں محبت غوث کی

اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا نہیں
کام آ جاتی ہے آڑے وقت نسبت غوث کی

تجربہ اس کا زمانے نے کیا ہے بارہا
سمِ قاتل سے ہے مہلک تر عداوت غوث کی

انقلاباتِ زمانہ کی اسے کیا فکر ہو
جس کو خوش بختی سے حاصل ہو حمایت غوث کی

اہلِ ظاہر پر حکومت تو ہے معمولی سی بات
اہلِ باطن کے دلوں پر ہے حکومت غوث کی

قم بــاذن الـلــہ میں پوشیدہ ہے تاثیرِ کن
قدرتِ قادر حقیقت میں ہے قدرت غوث کی

اولیاء اقطاب ہوں یا فرد یا ابدال ہوں
جان و دل سے سارے کرتے ہیں اطاعت غوث کی

کمسنی میں منقبت کہنی نہ تھی آسان بات
یہ بھی عارفؔ ایک ادنیٰ ہے کرامت غوث کی



۱۹۷۳ء

درِ فیضؒ

نام اونچا ہوا جود و سخا کا اسی گھر سے
محروم نہ پلٹا کوئی سرکار کے در سے
بگڑی ہوئی تقدیریں سنورتی ہیں اسی جا
مٹ جاتے ہیں سب رنج و الم ان کی نظر سے
ہر ایک کی جھولی میں اسی در کا ہے ٹکڑا
ہر ایک نے پایا ہے اسی فیض کے در سے
ہر دم نگراں ہے نگہِ غوث ہماری
ہر چند کہ ظاہر میں ہیں وہ دور نظر سے
اس لطف و کرم کا نہ تھا اندازہ کسی کو
سب دنگ ہیں چور ہوگیا ابدال کدھر سے
بغداد سے وہ آگئے امداد کو فوراً
پہنچی جو خبر ان کو مری آہ سحر سے
اےَ ساقیء بغداد پلا مجھ کو وہ صہبا
جس کا نہ خمار اترے ابد تک مرے سر سے
درکار ہے جلوہ کے لئے ذوقِ نظر بھی
''دیکھو شہہِ بغداد کو عارفؔ کی نظر سے''

ہر ایک کے حصہ میں یہ عارفؔ نہیں دولت
خوش بخت ہیں وابستہ ہیں جو غوث کے در سے



۱۹۷۳

ساقیء بغدادؒ

ہے شہ بغداد ساقی قادری میخوار ہیں
بادہء عرفاں سے سارے حاضریں سرشار ہیں

ائے کریم ابنِ کریم ابنِ کریم ابنِ کریم
اک نظر اس سمت ہم بھی حاضرِ دربار ہیں

رہتے ہیں ہر حال میں وہ اپنی کملی میں مگن
ہیں بہت بے فکر جو وابستہء سرکار ہیں

خود بخود کیوں سر نہ جھک جائیں یہاں تعظیم کو
''غوثِ اعظم جانشینِ احمدِ مختار ہیں''

اولیا ابدال یا اوتاد یا اقطاب ہوں
محیء دیں اس قافلہ کے قافلہ سالار ہیں

میں وہ بے غم ہوں کسی غم کا بھی مجھ کو غم نہیں
دستگیرِ بے کساں ہر دم مرے غمخوار ہیں

سچ اگر پوچھو تو عارفؔ یہ پتہ کی بات ہے
ان کے دیوانے ہیں جو وہ اصل میں ہشیار ہیں



۱۹۷۳ء

غوثِ پاکؒ

آپ کا ہوں نام لیوا غوثِ پاک
دیجئے اپنا اتارا غوثِ پاک

اس کی ساری مشکلیں حل ہوگئیں
آپ کو جس نے پکارا غوثِ پاک

آپ کے روضہ کا نظارہ کروں
ہے یہی دل کی تمنا غوثِ پاک

ہر مرض ہر درد ہر غم کی دوا
آپ کا ادنیٰ اشارا غوثِ پاک

آپ کے دامن سے ہے وابستگی
ہے ہمارا بول بالا غوثِ پاک

کوئی بھی پایہ نہ پایا آج تک
آپ نے پایہ جو پایا غوثِ پاک

اولیا اقطاب سب ہیں فیضیاب
سوئے ما ہم دست بکشا غوثِ پاک

اب کسی سے واسطہ اس کو نہیں
ہے بس عارفؔ آپ کا یا غوثِ پاک



۱۹۷۳ء

آمدِ پیرانِ پیرؒ

''آج پیروں کے پیر آتے ہیں'' اسلئے جشن ہم مناتے ہیں
ان کو حق سے ملی ہے وہ قدرت سب کی تقدیر وہ بناتے ہیں
درِ غوث الوریٰ پہ سر رکھ کر ہم بھی تقدیر آزماتے ہیں
نہ گیا خالی کوئی اس در سے سب یہیں پر مراد پاتے ہیں
ہم کیا سر کی ہمارے قیمت کیا اولیا سر یہاں جھکاتے ہیں
ان کے کوچہ کے ادنیٰ ذرے بھی مثلِ خورشید جگمگاتے ہیں
لب پہ یا غوث میرے آتا ہے جب کبھی پاؤں لڑکھڑاتے ہیں
کیوں نہ میں بھی پکاروں خذ بیدی گرنے والوں کو وہ اٹھاتے ہیں
لا تخف کہہ کے وہ مریدوں کے دم بدم حوصلے بڑھاتے ہیں
ہم ہیں کیا عارفانِ حق عارفؔ
آنکھیں اس راہ میں بچھاتے ہیں



۱۹۷۲ء

آج پیرانِ پیر آتے ہیں

تمہیں ہم اک خبر سناتے ہیں آج پیرانِ پیر آتے ہیں
قادریوں کی عید آئی ہے آج پیرانِ پیر آتے ہیں
خیرمقدم کو رمضاں آیا ہے آج پیرانِ پیر آتے ہیں
اک نیا دور اب شروع ہوگا آج پیرانِ پیر آتے ہیں
بیکسو اب نہ کوئی فکر کرو آج پیرانِ پیر آتے ہیں
مژدہ باد صبا یہ لائی ہے آج پیرانِ پیر آتے ہیں
ہوگیا دور ختم ظلمت کا آج پیرانِ پیر آتے ہیں
پڑگیا زرد چہرہ باطل کا آج پیرانِ پیر آتے ہیں
اب چمن میں بہار آئے گی آج پیرانِ پیر آتے ہیں
گیت گاؤ خوشی کے رقص کرو آج پیرانِ پیر آتے ہیں

سب کو عارفؔ یہ دے دو خوش خبری
آج پیرانِ پیر آتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۲ء

سہارا

اک کھلی حقیقت یہ ادعا ہمارا ہے
''خوش نصیب ہیں جن کو غوث کا سہارا ہے''

مشکلیں حل ہوتی ہیں حاجتیں بر آتی ہیں
در پہ ان کے آتا ہے جو بھی غم کا مارا ہے

میں برا سہی لیکن آپ سے ہوں وابستہ
کب مری سیہ بختی آپ کو گوارا ہے

میرے پاؤں اب ہرگز ڈگمگا نہیں سکتے
آپ کی حمایت ہے آپ کا سہارا ہے

وہ گدا ہے شاہوں سے بڑھ کے جس کی جھولی میں
آپ کا تصدق ہے آپ کا اتارا ہے

نذر دوں تو میں کیا دوں کوئی شئے نہیں میری
جان بھی تمہاری ہے جسم بھی تمہارا ہے

کوئے غوث کی عظمت کیا بیاں کروں عارفؔ
اس گلی کا ہر ذرہ آسماں کا تارا ہے



۱۹۷۲ء

مجھے

ساری دعاؤں میں ہے یہ پیاری دعا مجھے
غوث الوریٰ کی رہ پہ خدایا چلا مجھے

جتنا بھی اس پہ فخر کروں ہے بجا مجھے
حاصل ہے نسبتِ شہِ غوث الوریٰ مجھے

کوشش کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں
"قسمت سے مل گیا درِ غوث الوریٰ مجھے"

رہتا ہوں ذکرِ غوث میں مشغول صبح و شام
حاصل کچھ ایسا ہوتا ہے اس میں مزا مجھے

عارفؔ سنائی میں نے جو محفل میں منقبت
چھوٹے بڑے پکار اٹھے مرحبا مجھے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۱ء

غریب نوازؒ

ادھر بھی لطف و کرم کی نظر غریب نواز
مری نظر ہے فقط آپ پر غریب نواز

کوئی سمائے گا کیا اب مری نگاہوں میں
کہ میرے سامنے ہیں جلوہ گر غریب نواز

غریب کی کوئی لیتا نہیں خبر لیکن
ہر اک غریب کے ہیں چارہ گر غریب نواز

یہ بات تو نہیں مانوں گا میں کسی صورت
کہ میرے حال سے ہیں بے خبر غریب نواز

گدا میں آپ کے اک شانِ بے نیازی ہے
کہ آپ کا ملا قسمت سے در غریب نواز

دلوں پہ سارے زمانہ کے حکمرانی ہے
ہیں سارے آپ کے زیرِ اثر غریب نواز

تماشا دیکھئے یہ بھی خدا کی قدرت کا
ہے کل زمانہ ادھر ہیں جدھر غریب نواز

میں اپنی جان کو قربان کرنے آیا ہوں
لٹائے سب نے ہیں لعل و گہر غریب نواز

کسی کے سامنے عارفؔ کا سر نہ خم ہوگا
ہے ناز اس کو فقط آپ پر غریب نواز



۱۹۷۸ء

حضرتِ لاابالیؒ

فیض ہر شخص کو اس در سے اٹھاتے دیکھا
جس نے جو چاہا یہاں اس کو وہ پاتے دیکھا

ان کو اس درجہ تصور میں سماتے دیکھا
سانس کی لے کو بھی نام ان کا سناتے دیکھا

خواہ چھوٹے ہوں بڑے ہوں کہ بڑوں کے بھی بڑے
سرِ تسلیم یہاں سب کو جھکاتے دیکھا

اس جگہ فرطِ ادب سے جو زباں کھل نہ سکی
دل کی روداد بھی آنکھوں کو سناتے دیکھا

ہر جگہ خلق میں تفریق ملی ہم کو مگر
"ان کے دربار میں ہر قوم کو آتے دیکھا"

رک گئے سارے زمانہ کے جہاں جا کے قدم
ان کے خادم کو وہیں راہ بناتے دیکھا

روک لیتے ہے جہاں گردشِ تقدیر قدم
ان کی نسبت کو وہیں کام بناتے دیکھا

ان کی ٹھوکر سے جو قسمت کھلی حیرت کیا ہے
سینکڑوں نے انہیں مردوں کو جلاتے دیکھا

جب بھی مشکل میں صدا ہم نے دی عارفؔ انکو
اپنا دامانِ کرم ہم پہ اڑاتے دیکھا

☆☆☆☆☆☆

۱۹۸۱ء

جنابِ لاابالیؒ

یہ بے ریب و گماں میرا عقیدہ میرا ایقاں ہے
''محبت اہلِ بیتِ مصطفیٰ کی عینِ ایماں ہے''

ہوئے ہیں آج حاضر آستاں پر جس کے ہم وہ بھی
علی کا مصطفیٰ کا فاطمہ کا راحتِ جاں ہے

لقب قدرت کی جانب سے ملا ہے لاابالی کا
صفِ ابدال میں ان کی نمایاں عظمت و شاں ہے

صفت مشکل کشائی کی ملی ہے ان کو ورثہ میں
پکارے جو انہیں مشکل میں مشکل اس کی آساں ہے

جو ان کے در پہ آتا ہے وہ مقصد اپنا پاتا ہے
عجب شانِ کرم ان کی عجب کچھ ان کا فیضاں ہے

ہمارے ہاتھ میں دامن جو آیا ان کا قدرت سے
خدا کا فضل ہے یہ بھی خدا کا یہ بھی احساں ہے

ہر آڑے وقت ہم نسبت سے ان کی کام لیتے ہیں
ہر آفت ہر مصیبت میں یہی اپنی نگہباں ہے

یہ وہ در ہے جہاں کچھ کہنے سننے کی نہیں خواہش
وہ ازخود جانتے ہیں جو ہمارے دل میں پنہاں ہے

انہیں معلوم ہے یہ وقت ہے اب دستگیری کا
کہ ہے بادِ مخالف بھی حوادث کا بھی طوفاں ہے

زباں بند رکھ کے بھی عارفؔ مراد ہم نے یہاں پالی
یہ کیسا ہے کرم ان کا یہ کیسا ان کا احساں ہے

۱۹۷۸

☆☆☆☆☆☆

نسبت لاابالیؒ کی

خدا کے فضل سے حاصل ہے نسبت لاابالی کی
ملی ہے مجھ کو گھر بیٹھے یہ دولت لاابالی کی

عقیدت جو مجھے طفلی سے ہے اس آستانہ سے
مرے نزدیک ہے یہ بھی کرامت لاابالی کی

کہا قم اور مردہ لڑکی فوراً ہوگئی زندہ
یہ طاقت تھی یہ قوت تھی یہ قدرت لاابالی کی

لقب ہے سید الابدال اتنا جانتے ہیں سب
مگر کس کو خبر کیا ہے حقیقت لاابالی کی

جلیل القدر رتبہ رکھنے والے ہی بتائیں گے
حقیقت میں ہے کیا شانِ جلالت لاابالی کی

تصوف ان کا کیا تھا دین کی سختی سے پابندی
شریعت سے نہ تھی ہٹ کر طریقت لاابالی کی

ادائیں جتنی تھیں وہ غوثِ اعظم کی ادائیں تھیں
ولایت ہو کہ سیرت ہو کہ صورت لاابالی کی

یہ وہ در ہے جہاں ہوتی نہیں حاجت گذارش کی
کہ اس کو تاڑ لیتی ہے بصیرت لاابالی کی

مقدر کا دھنی سب لوگ عارفؔ کو سمجھتے ہیں
ہے اس کے حال پر چشمِ عنایت لاابالی کی

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۷ء

رہبرِ کاملؒ

لاابالی سا ملا ہے رہبرِ کامل مجھے
دے رہی ہے اس لئے آواز خود منزل مجھے

دید کے قابل ہے ان کا یہ بھی اندازِ کرم
بن گئی ہر موجِ طوفاں دامنِ ساحل مجھے

ہے یہ عالم جب سے نقشہ ان کا ہے پیشِ نظر
کوئی نقشہ اب نظر آتا نہیں باطل مجھے

زیست ہو یا موت دونوں بھی ہوں بس ان کے لئے
زندگی کا بس نظر آیا یہی حاصل مجھے

فرطِ غم ہے حال بد ہے ہے یہی وقتِ مدد
ہر نفس اب ہوگیا ہے خنجرِ قاتل مجھے

میں نہ تھا عارفؔ کسی قابل مگر ان کے فدا
نام لیواؤں میں اپنے کرلیا شامل مجھے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۶ء

نسبتِ لاابالیؒ

نظر میں ان کی صورت میں نے جس دن سے جمالی ہے   نظر سارے جہاں کے خوش جمالوں سے ہٹالی ہے
کچھ ایسا رنگ ان کے آستانہ کا جلالی ہے   بہت اونچوں سے اونچوں نے یہاں گردن جھکالی ہے
کرم ان کا نرالا ہے مہربانی نرالی ہے   ہیں یہ بے مثل جیسے ہر ادا بھی بے مثالی ہے
یہ کامل مظہر و مراء ۃِ شانِ بے نیازی ہیں   اسی باعث خطاب ان کا خدا سے لاابالی ہے
جو اپنا دامن ان کے دامنِ عالی سے باندھے ہیں   انہی کے حق میں وافعل ما تشاء فالاسم عالی ہے
کرم سے ان کے ہم کو تنگ دامانی کا شکوہ ہے   وہ ہونگے اور جن کا دامنِ مقصود خالی ہے
نہ ان کے جیسا داتا ہے نہ مجھ سا کوئی سائل ہے   سخی سرکار ہے ان کی مری صورت سوالی ہے
کرم ان کا مجھے اس در سے اٹنے ہی نہیں دیتا   نہ اٹھنے کی قسم میں نے بھی اپنے دل میں کھالی ہے
سنبھالا میری قسمت نے لیا ہے اک نئے ڈھب سے   جبینِ شوق نے جس دن سے یہ چوکھٹ سنبھالی ہے
یہیں ائے ہمدمو تم بھی عقیدت کی بنا ڈالو   کہ میں نے بھی عقیدت کی یہیں بنیاد ڈالی ہے

کسی کے کہنے سننے کا اثر کیا ہوگا ائے عارفؔ
ازل سے ان کی الفت میں نے اپنے دل میں پالی ہے



۱۹۷۶ء

نگاہِ کرم

ہر منزلِ حیات میں وہ ہم سفر رہے ان کی توجہ ساتھ رہی ہم جدھر رہے
دل ہے وہی کہ جس میں کوئی جلوہ گر رہے ہے قیمتی صدف وہی جس میں گہر رہے
گلشن میں سب نشانہء برق و شرر رہے لیکن کرم تمہارا کہ ہم بے خطر رہے
جس کو حمایت آپ کی ہوجائے کیوں نہ وہ ہر امتحاں میں حاملِ فتح و ظفر رہے
وہ خوش نصیب ہے بخدا خوش نصیب ہے جس پر تمہارے لطف و کرم کی نظر رہے
در راہِ عشق مرحلہء قرب و بعد نیست ہم دور رہ کے آپ سے نزدیک تر رہے
ہے دل کو جب سے راست تعلق حضور سے پیغامبر رہے نہ کوئی نامہ بر رہے
سمجھو کہ حاضرِ درِ غوث الوریٰ رہے دربارِ لاابالی میں حاضر اگر رہے
جو کم نظر ہیں ذکر بھی ان کا فضول ہے خیر البشر بھی ان کی نظر میں بشر رہے
ایسے بسے ہیں آپ کے جلوے نگاہ میں جس سمت دیکھا آپ ہی بس جلوہ گر رہے
جائے ادب ہے طولِ سخن کا محل نہیں جو بات بھی یہاں ہو بہت مختصر رہے

عارفؔ کی آرزو کوئی اس کے سوا نہیں
بس یہ دعا ہے اس پہ کرم کی نظر رہے



۱۹۷۵ء

میخانہءلاابالیؒ

بچ نہ سکتا تھا کوئی موجوں سے ٹکرانے میں
ہم بچے آپ کے بر وقت پہنچ جانے میں

لاابالی کی کشش کا یہ اثر تو دیکھو
کھنچ کے سب آگئے کرنول کے میخانے میں

آج ہم اس سخی سرکار کے پاس آئے ہیں
لطف ملتا ہے جسے دینے میں دلوانے میں

نعمتِ دین بھی ہے دولتِ دنیا بھی ہے
کون سی چیز نہیں آپ کے کاشانے میں

یہاں بگڑی ہوئی تقدیر بھی بن جاتی ہے
دیر لگتی نہیں مقصودِ دلی پانے میں

آئینہ خانہ میں آنکھوں کے ہے انکی صورت
جلوہ فرما ہیں جو وہ دل کے جلوخانے میں

ہیں تعجب میں اسے دیکھ کے فرزانے بھی
کچھ عجب رنگ ہے سرکار کے دیوانے میں

اور سے لَو نہیں لَو ان سے لگا کر دیکھو
شمع کی بات کہاں آئے گی پروانے میں

ہم کو اظہارِ عقیدت سے نہ روک اے زاہد
ہم نہ آئینگے ترے اس طرح بہکانے میں

مئے میں مئے میکدہء ساقیء بغداد کی مئے
اور وہ بھی جو ملے آپ کے پیمانے میں

ان کا ادنیٰ سا اشارا بھی اگر ہو عارفؔ
نہیں مشکل تری تقدیر کے بن جانے میں



۱۹۷۴ء

سراپائے لاابالیؒ

روایت آئی ہے مجھ تک یہ پیرانِ طریقت سے — عیاں شانِ سیادت لاابالی کی تھی صورت سے
تھا مثلِ آئینہ شفاف ان کا ظاہر و باطن — طریقت بھی جدا ان کی نہ تھی راہِ شریعت سے
نہیں اس میں کوئی شک سید الابدال تھے حضرت — لقب بھی لاابالی کا ملا تھا ان کو قدرت سے
حماہ سے لائے جو تشریف بس اس کی غرض یہ تھی — کہ ہو جائیں یہاں سرشار سارے جامِ وحدت سے
ہمیشہ کام ہمت سے لیا دیں کی اِشاعت کا — نہ ہمت آپ نے ہاری کبھی باطل کی کثرت سے
یہ افسانہ نہیں ہے کوئی بلکہ یہ حقیقت ہے — ہوئی راجہ کی لڑکی زندہ حضرت کی کرامت سے
نہ کوئی ذات کا جھگڑا نہ کوئی فرق مذہب کا — یہ وہ در ہے جہاں سب لوگ آتے ہیں عقیدت سے
ریاضت ہے نہ طاعت ہے نہ ہم میں زہد و تقویٰ ہے — ہمارا کام بس چلتا ہے حضرت کی عنایت سے
بڑی تدبیر و کوشش سے نکلنے جو نہیں پاتے — نکل جاتے ہیں ایسے کام بھی حسنِ عقیدت سے
جو سچ پوچھو یہ صدقہ ہے فقط اس در سے نسبت کا — جو ہم پھرتے ہیں سینہ تان کر اس شان و شوکت سے

جو آیا آپ کے در پر مراد اس کی ہوئی پوری
اس عارفؔ کو بھی ہے امید حضرت کی عنایت سے



۱۹۷۳

﴿حصہء سوم﴾

متفرقات

حضرت پیر نجم الدین گیلانیؒ کی حیدرآباد آمد پر

مبارک ہو مبارک قادریو نجمِ دیں آئے
وہ آئے اور ایسے قلب میں جیسے یقیں آئے

کشش ہے دیدنی اپنے بھی جذباتِ عقیدت کی
بجائے اپنے جانے کے وہاں وہ خود یہیں آئے

کچھ اس طرح مہک اٹھی مشامِ جاں ارادت کی
کسی گلزار سے جس طرح بوئے یاسمیں آئے

دل و جاں جگمگا اٹھیں اگر تو اس میں حیرت کیا
اندھیرا کیا رہے نورِ نگاہِ محیء دیں آئے

ستارے رات کی تاریکیوں میں جگمگاتے ہیں
مگر یہ ماند پڑ جاتے ہیں جب ماہِ مبیں آئے

یہ وقت ہے نسبتِ غوث الوریٰ سے کام لینے کا
غنیمت ہے یہ موقع جب یہ نعمت خود قریں آئے

جو عارفؔ آ گیا اس سمت جھونکا بادِ رحمت کا
ہوا محسوس سبطِ رحمۃ" للعالمیں آئے

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۷ء

ماہِ رمضاں

نہیں ممکن کسی سے وصف و مدحت ماہِ رمضاں کی
بیاں کی ہے خدا نے خود فضیلت ماہِ رمضاں کی

رہی پیشِ نظر جن کے ہے حرمت ماہِ رمضاں کی
انہی کے واسطے ہوگی شفاعت ماہِ رمضاں کی

فلک پر چاند جب آیا نظر مشتاق نظروں کو
جہاں میں ہوگئی ہر سمت شہرت ماہِ رمضاں کی

مبارک ہیں جو ہیں محوِ عبادت ماہِ رمضاں میں
عبادت اور پھر وہ بھی عبادت ماہِ رمضاں کی

خدا کی راہ میں دینا بہر حالت بھلائی ہے
مگر افضل سخاوت ہے سخاوت ماہِ رمضاں کی

نزولِ رحمتِ باری ہے ہر اک گوشہ گوشہ میں
خدا کے فضل سے گھر گھر ہے برکت ماہِ رمضاں کی

ہیں ساری مسجدیں آباد اور بازار پر رونق
ہے یہ مخصوص ساری زیب و زینت ماہِ رمضاں کی

سحر ہو یا کہ ہو افطار سارے روزہ داروں کو
ملا کرتی ہے دونوں وقت فرحت ماہِ رمضاں کی

دعائے عارفؔ خستہ یہی ہر بار تجھ سے ہے
الٰہی دے ہمیں توفیقِ خدمت ماہِ رمضاں کی

۱۹۷۶

☆☆☆☆☆☆

ماہِ صیام

مبارک مومنوں کو رحمتِ حق کا پیام آیا
جِلو میں برکتیں سب لے کے پھر ماہِ صیام آیا

یہی وہ ماہ ہے جس میں قدر کی رات آئی ہے
یہی وہ شب ہے جس میں حق تعالیٰ کا پیام آیا

زمیں پر ہوتے ہیں نازل فرشتے حکمِ ایزد سے
فجر تک قدر میں مــن کــل امــرٍ کا سلام آیا

کہا حق نے ہے روزہ میرا اور اس کی جزا میں ہوں
سمجھ جاؤ اسی سے روزہ رہنا کتنا کام آیا

صبح سے شام تک کوئی بدی ہونے نہیں پاتی
قدم کوئی غلط اٹھا نہ لب تک کوئی جام آیا

زباں پر روزہ داروں کے نہ کوئی جھوٹی بات آئی
نہ ان کے پیٹ میں مطلق کوئی لقمہ حرام آیا

گذر کر ماہِ رمضاں ہوگیا تھا ایک سال عارفؔ
نہ ایسی پھر سحر آئی نہ ایسا وقتِ شام آیا



۱۹۷۲ء

تاریخِ وفات

عمِ مکرم حضرت مولانا ابوالحسنات سید ولی اللہ صاحب قادریؒ

ابو الحسنات تھے یہ تھی بھلائی ان کی فطرت میں ۔۔۔ ولی اللہ تھے تھی سادگی ان کی طبیعت میں
ہوئے دار البقا کی سمت جب راہی تو اے عارفؔ ۔۔۔ کہا میں نے ''ولی ہیں سیرِ عالیشانِ جنت میں''

۱۳۹۶ھ

☆☆☆☆☆☆

تاریخِ حج وملازمت

برادرِ مکرم مولوی سید موسیٰ انور صاحب قادری

قدم قدم پہ کرم بھی ہوا کرامت بھی ۔۔۔ خدا کا فضل ہوا اور ملی سعادت بھی
نکل گئے سبھی 'آلامؔ' تو ہوئی تاریخ ۔۔۔ ''ملازمت بھی ملی اور حج زیارت بھی''

۷۲ ۔۔۔ ۱۳۹۶ھ = ۷۲ ـ ۱۴۶۸

☆☆☆☆☆☆

تاریخِ وفات

عمِ مکرم حضرت سید شاہ محی الدین قادریؒ جاگیردار

اطلاع آئی یہ دس اپریل کو سوئے عقبیٰ جادہ پیما ہیں محی
ہوگئے چشمِ زدن میں وہ جدا کیا خبر تھی برق آسا ہیں محی
ان کے بارے میں تھے سارے متفق زہد میں تقویٰ میں یکتا ہیں محی
کر رہے ہیں سب انھی کا تذکرہ بعد مرنے کے بھی زندہ ہیں محی
وہ گئے تو فکر یہ عارفؔ ہوئی اس جگہ سے جا کے کس جا ہیں محی
دفعتاً یہ غیب سے آئی ندا ہیں جہاں ابرار اس جا ہیں محی
یہ مقام ان کو بلا 'کد' مل گیا ''خلد میں آرام فرما ہیں محی''

۲۴ ۱۴۲۰ - ۲۴ = ۱۳۹۶ھ

☆☆☆☆☆☆

تاریخِ عقدِ مناکحت

دخترِ عمِ مکرم حضرت مولانا سید عبدالرزاق قادری جعفرؒ

دخترِ نیکِ حضرتِ جعفر بنی دلہن بفضلِ شاہِ ہدیٰ
سال عارفؔ نے یہ کہا اس کا ''بے بدل کتخدائی اسریٰ''

۱۳۹۸ھ

☆☆☆☆☆☆

نظمِ تاریخی
عقدِ مناکحت برادرِ مکرم مولوی سید غوث محی الدین قادری اعظم

مبارک ہوں بھائی مسرت کے دن — یہ راتیں خوشی کی یہ عشرت کے دن
بہت آرزو ماموں حضرت کو تھی — کہ جلد آئیں تکمیلِ سنت کے دن
بر آئی بفضلِ خدا یہ مراد — بنے قصہء ماضی فرقت کے دن
شریکِ حیات آپ نے پا لیا — ہیں اب زندگی میں معیت کے دن
نہ ہم کو مگر بھول جانا کہیں — ہیں یہ امتحانِ محبت کے دن
نہ مانیں گے یہ عذر ہم آپ کا — کہ مطلق نہیں ملتے فرصت کے دن
بہر حال عارفؔ کی ہے یہ دعا — ہمیشہ رہیں یہ فراغت کے دن
رہیں آپ اور بھابھی جاں سرخرو — نہ پاس آئیں رنج و مصیبت کے دن
رہے سر پہ دونوں کے دامانِ غوث — اس عالم میں ہو یا قیامت کے دن
ہے قرآن میں آیتِ تســـــکـــــنـــو ا — ہو قاری پڑھے ہو گے قربات کے دن

لکھا اس لئے میں نے سال عقد کا
''مبارک ہوں تم کو جمعیت کے دن''
۱۳۹۷ھ

☆☆☆☆☆☆

نظمِ تہنیت عقدِ مسنون

برادرِ مکرم مولوی سید غلام محی الدین قادری کاظم پاشاہ

و برادرِ مکرم مولوی سید لطیف محی الدین قادری متین پاشاہ

آئیں ایسی خوشی کی گھڑیاں کاظم بھائی متین بھائی
تم ہی نہیں شاد سب ہیں شاداں کاظم بھائی متین بھائی
رحمت کی ہوا جو چل رہی ہے گلشن کی روش بدل رہی ہے
ہر سمت بہار ہے خراماں کاظم بھائی متین بھائی
تم دونوں کے طئے ہوئے جو رشتے اک ساتھ بنے جو دونوں دلہے
اس کے باعث ہیں دگنی خوشیاں کاظم بھائی متین بھائی
اک ان میں خطیب محترم ہے اور دوسرا ساکنِ حرم ہے
دونوں کو ملا ہے ذوقِ ایماں کاظم بھائی متین بھائی
جوڑے دونوں بھی موسوی ہیں یعنی طرفین قادری ہیں
ہیں دونوں بھی سبطِ شاہِ جیلاں کاظم بھائی متین بھائی
ہے جیسی بڑی تمہاری نسبت اس طرح رہے بلند سیرت
تم سب میں رہا کریں نمایاں کاظم بھائی متین بھائی
اپنے آقا سے ربط رکھو ہر دم اس کا خیال رکھو
چھوٹے ہرگز نہ ان کا داماں کاظم بھائی متین بھائی
اللہ کرے ہوں ایسے لائق ہمعصروں میں اپنے ایسے فائق
جیسے تاروں میں ماہِ تاباں کاظم بھائی متین بھائی
عارفؔ کی دعا خلوصِ دل سے ہر وقت یہی ہے اپنے رب سے
تم دونوں رہیں ہمیشہ شاداں کاظم بھائی متین بھائی

☆☆☆☆☆☆

۱۹۷۷ء

تاریخِ وفات
عمِ مکرم حضرت مولانا سید شاہ عبدالمحی الدین صاحب قادریؒ

رخصت تو ہو چکے مگر لگتا ہے کہ قرین ہیں — اب بھی دل و نگاہ میں سب کے وہ یوں مکین ہیں
نورِ ازل سے لو لگی ایسی کہ بعدِ مرگ بھی — "محفلِ نورِ خلد میں عبدِ محیء دین ہیں"

۱۴۱۱ھ

☆☆☆☆☆☆

نظم بوفات حضرت مولانا سید شاہ عبدالمحی الدین صاحب قادریؒ

اپنے ہر ہر وصف میں یکتا تھے عبدِ محیء دیں — کیا کہوں کیسے کہوں کیا کیا تھے عبدِ محیء دیں
وہ تواضع وہ تسامح وہ شفقت وہ کرم — لطف و جود و فیض کا دریا تھے عبدِ محیء دیں
قلب تھا شاغل زباں ذاکر مسبح ہاتھ تھے — کامل" من سائر الاعضاء تھےعبدِمحیءدیں
کیا عبادت کیا ریاضت کیا شرافت کیا عمل — اک مجسم پیکرِ تقویٰ تھے عبدِ محیء دیں
کیا وجاہت کیسی شانِ سادگی کیسا نمود — ہر صفت میں یکہ و تنہا تھے عبدِ محیء دیں
تھا ہویدا ان کے رخ سے ہر گھڑی لطفِ لطیف — بحرِ الطافِ گراں مایہ تھے عبدِ محیء دیں
یہ فنا فی الشیخ کی منزل کی تھی کامل دلیل — ہم شبیہِ غوث سر تا پا تھے عبدِ محیء دیں
وہ کہ جن کے ہر نفس ہر سانس میں شامل تھے غوث — اک نمونہ ربطِ محکم کا تھے عبدِ محیء دیں
مفتخر تھے خود کو کہہ کر غوث کا ادنیٰ غلام — فی الحقیقت کس قدر اعلیٰ تھے عبدِ محیء دیں
اب لگیں گی سونی ساری محفلیں ان کے بغیر — رونقِ ہر محفلِ زیبا تھے عبدِ محیء دیں

نسبتِ عارفؔ نے خود عارفؔ بنایا تھا انہیں
مـــن عَـــرف کی صورتِ گویا تھےعبدِ محیء دیں

☆☆☆☆☆☆

۱۵ رمضان ۱۴۱۱ھ

تاریخِ وفات

برادرِ محترم مولوی سید عبدالقادر صاحب قادری غوثو پاشاؒ

وہ جنکے اخلاق کے چرچے دور دور تک جائیں ان کی بخشش کو کافی ہیں خوش خلقی کی ادائیں
رضواں نے فردوس کے در کھولے اور صدا دی ''سید عبد القادر قادری جنت میں آئیں''

۱۴۱۵ھ

☆☆☆☆☆☆

تاریخِ وفات

محترمہ سیدہ غوث النساء عصمت پاشاؒ

صاحبزادی عمِ مکرم حضرت سید عبداللطیف صاحب قادریؒ

میں اور وفات سنِ فکرِ ورنہ ہے محبت کی ان
واہ کہا جس نے بھی سنا ''عصمت آپا خلد میں ہیں''
۱۲ ۱۴۱۵ھ = ۱۲ (+) ۱۴۰۳

☆☆☆☆☆☆

تواریخِ وفات برائے لوحِ مزار
قبلہ گاہی حضرت علامہ ابوالفضل سید محمود صاحب قادریؒ

''مرقدِ جلیلِ علامہ ابوالفضل سید محمود قادریؒ''

سنہ ۲۰۰۰ء

خدمتِ خلق تھی جن کی فطرت جن کو نہ تھی شہرت مقصود
معینِ ملت، کنزِ معارف، شمعِ علم ان کا تھا وجود
دہن میں موئے نبی لیکر رخصت جو ہوئے عارفؔ نے کہا
''ھادیء اسلام علامہ ابو الفضل سید محمود''

سنہ ۱۴۲۰ھ

﴿دیگر﴾

عاشقِ شاہِ امم حضرتِ سید محمودؒ صاحبِ فضل و کرم حضرتِ سید محمودؒ
چشمہا نم شدہ امروز چو شد ''راہیء ملکِ عدم حضرتِ سید محمودؒ''

سنہ ۲۰۰۰ء

﴿دیگر﴾

چہ عالی عزم و ہمت بود ابو الفضلؒ کہ ہر رفعت امامش سرنگوں گشت
بہ روزِ جمعہ بستم ماہِ شوال ''گرامی قدر محمود از جہاں رفت''

سنہ ۱۴۲۰ھ

''عرض نمودہء آبدیدہ سید وحید القادری عارفؔ''

سنہ ۲۰۰۰ء

تاریخِ وفات

عمِ مکرم حضرت مولانا سید شاہ غلامِ قاسم قادری الموسویؒ

جب خبر آئی کہ وہ دنیا سے رحلت کر گئے
دل ہوا غمگین اور تھے اشک آنکھوں سے رواں
لب پہ عارفؔ آ گئی تاریخ یہ بے ساختہ
''واصلِ حق جنت الفردوس میں ہیں ماموں جاں''

۱۴۲۵ھ

دیگر

پاک ظاہر پاک باطن پاک ہستی ان کی تھی
کیسی ہوگی ان کی پھر آرامگاہِ آخری
لوحِ مرقد نے دیا اس کا جواب عارفؔ یہ ہے
''جائے پاکِ سید شاہ غلامِ قاسم قادری''

۲۰۰۴ء

دیگر

در صحنِ درگاہِ موسیٰؒ چوں جویند مقامِ قاسم
لوحِ مرقد گفت ہمیں جا منزل گاہِ غلامِ قاسم

۱۴۲۵ھ

تاریخِ وفات

ہمشیرہ مکرمہ سیدہ عزیز النساء بیگم جلیل شہزادیؒ

جب خبر آئی کہ وہ رخصت ہوئیں کیا بتاؤں کیا مری حالت ہوئی
لب پہ عارفؔ آگیا بے ساختہ "بہن میری داخلِ جنت ہوئی"

۱۴۲۶ھ

☆☆☆☆☆☆

تاریخِ تعمیر باب الداخلہ

درگاہِ شریف جدِ اعلیٰ حضرت علامہ ابوالفضل سید محمودؒ

(ناظمِ نظمِ جمعیت سلطنتِ آصفیہ)

بنا شد بابِ دربارِ ابو الفضلؒ ز سعیء خیرِ اخترؔ والہانہ
دلِ مسرورِ عارفؔ گفت تاریخ "درِ درگاہِ فیاضِ زمانہ"

۱۴۲۸ھ

☆☆☆☆☆☆